ماہنامہ

اِنذار

مئی 2017ء

مدیر
ابویحییٰ

مردہ لوگوں کے درمیان
پیدا ہو جانے والے زندہ لوگ
مرنے کے بعد ہی زندہ سمجھے جاتے ہیں

www.inzaar.org

ماہنامہ

اِنذار

مئی 2017ء شعبان 1438ھ

جلد 5 شمارہ 5

فی شمارہ ـــ 25 روپے
سالانہ: کراچی (بذریعہ کوریئر) 500 روپے
بیرون کراچی (نارمل پوسٹ) 400 روپے
(زرتعاون بذریعہ منی آرڈر یا ڈرافٹ)
بیرون ملک 2500 روپے
(زرتعاون بذریعہ پوسٹل بیئرر آرڈر یا ڈرافٹ)
نارتھ امریکہ: فی شمارہ 2 ڈالر
سالانہ 24 ڈالر

P.O Box-7285, Karachi.
فون: 0332-3051201, 0345-8206011
ای میل: globalinzaar@gmail.com
web: www.inzaar.org

دوسروں کو تلقین

جمعے کی نماز باقاعدگی سے پڑھنے والے ہر مسلمان نے مساجد میں جماعت کھڑی ہوتے وقت صف بندی کا منظر ضرور دیکھا ہوگا۔اس منظر کی ایک خصوصیت یہ ہے کہ کچھ لوگ اپنی جگہ کھڑے رہتے ہیں اور دوسرے لوگوں کو آواز لگا کر آگے بڑھنے کی تلقین کرتے رہتے ہیں۔ان کی آنکھوں کے سامنے اگلی صفیں خالی پڑی رہتی ہیں۔ وہ سمجھتے ہیں کہ ان صفوں کا بھرنا جماعت کے لیے ضروری ہے۔اسی لیے صدا بھی بلند کرتے ہیں۔مگر دوسروں کو تلقین کرنے والے یہ لوگ خود اپنی جگہ چھوڑ کر آگے نہیں بڑھتے۔

یہ کچھ افراد نہیں ایک کردار ہے جو ہمارے معاشرے میں ہر جگہ دیکھا جا سکتا ہے۔اس کردار کو ہر مسئلے کا علم ہوتا ہے۔اس کے حل کی سمجھ بھی ہوتی ہے۔ وہ مسئلے کو حل بھی کرنا چاہتا ہے۔مگر حل کرنے کی ذمہ داری وہ دوسروں پر ڈال دیتا ہے۔ وہ خود تلقین بھی کرتا ہے۔ وعظ بھی کرتا ہے۔ لوگوں کو سمجھاتا بھی ہے۔ برائیوں پر تنقید بھی کرتا ہے۔مگر مجال ہے کہ وہ اپنے دائرے میں مسئلے کے حل کی کوئی کوشش کرے۔

ایسے لوگ بین الاقوامی سطح پر ہونے والے ہر ظلم پر آواز بلند کرتے ہیں۔مگر اپنے شہر میں ہونے والے ہر ظلم سے لاتعلق بنے رہتے ہیں۔ ایسے لوگ دنیا کی اصلاح کے لیے بے تاب ہوتے ہیں،مگر اپنے خاندان اور ارد گرد کی اصلاح سے بالکل بے پروا بنے رہتے ہیں۔ایسے لوگ سیاستدانوں کی کرپشن اور برائیوں پر ہر محفل میں برہم رہتے ہیں،مگر اپنی ذاتی خرابیوں کو فراموش کر کے جیتے ہیں۔

دوسروں کو تلقین اور اپنی ذات اور اپنے ارد گرد کو بھولے رہنا کسی اعلیٰ انسان کا کام نہیں ہوتا۔ ایسا شخص نہ دنیا میں کسی خیر کا باعث ہوتا ہے نہ آخرت کے اجر کا حقدار بن سکتا ہے۔

انسان سازی

میں مسجد جانے کے لیے جس سڑک سے گزرتا ہوں اس کی فٹ پاتھ کا سارا حصہ تو لوگوں نے اپنے گھروں میں شامل کرلیا ہے۔ سڑک اتنی پتلی ہے کہ ایک گاڑی کے سامنے دوسری گاڑی آجائے تو دونوں گاڑیوں اور چلنے والے سب مشکل میں آجاتے ہیں۔ بس سڑک اکثر سنسان رہتی ہے۔ چنانچہ اکثر ایسا ہوتا ہے کہ خالی سڑک پاکر کچھ لوگ فل اسپیڈ کردیتے ہیں۔ یہی وہ مسئلہ ہے جس کے حل کے لیے شہر میں ہر جگہ اور ہر سڑک پر اسپیڈ بریکر بنے ہوئے ہیں۔

یہ پورا معاملہ محض ایک سادہ بات نہیں ہے۔ یہ ایک علامت ہے جو بتاتی ہے کہ ہماری قوم تربیت سے کتنی عاری ہے۔ وہ قانون کی پاسداری کو کتنا بے وقعت سمجھتی ہے۔ جسے اسپیڈ بریکر کی لگام نہ ڈالی جائے تو وہ ہر ضابطے کو پامال کر کے اپنی اور دوسروں کی زندگی کو کس طرح خطرے میں ڈال دیتی ہے۔

بدقسمتی سے ہمارے ہاں اس مسئلے کو سرے سے کوئی مسئلہ نہیں سمجھا جاتا ہے۔ تربیت کے ذریعے سے انسانی شخصیت کی تعمیر، قانون کی پاسداری اور اقدار پر مبنی سماج کا قیام کسی کے پیش نظر نہیں۔ اس طرح کے تمام مسائل حل کرنے کے لیے ہم افراد کی اصلاح کے بجائے اسپیڈ بریکر بناتے ہیں۔ یہ اسپیڈ بریکر بھی ایک علامت ہے جو بتاتا ہے کہ ہم اپنے لوگوں کی تربیت کے بجائے قانون کو سخت سے سخت کر کے اور انسانوں کو بدلنے کے بجائے ان کو قانون اور ڈنڈے کی طاقت سے ٹھیک کرنے کو اصل حل سمجھتے ہیں۔

مگر یہ کوئی حل نہیں ہے۔ اس کے نتیجے میں سب لوگ مشکل میں آجاتے ہیں اور لوگ قانون کی خلاف ورزی کے عادی ہوجاتے ہیں۔ مسئلے کا حل ایک ہی ہے۔ انسان سازی اور صرف انسان سازی۔ یہی وہ بات ہے جسے سمجھنے میں ہمارے مسائل کا حل پوشیدہ ہے۔

گرین فرائی ڈے

ماہ نومبر کے آخر میں مغربی دنیا میں بلیک فرائی ڈے منایا جاتا ہے۔ یہ دن مغربی دنیا خاص کر امریکہ میں کرسمس کے لیے کی جانے والی خریداری کا نقطہ آغاز ہوتا ہے۔ اس موقع پر ہر جگہ زبردست ڈسکاؤنٹ دیے جاتے ہیں۔ اسی کی دیکھا دیکھی ہمارے ہاں بھی پاکستان کی اشرافیہ اور اپر مڈل کلاس نے بلیک فرائی ڈے منانا شروع کر دیا ہے۔ اس روز زیادہ تر برانڈز اپنی مصنوعات پر 70 فی صد تک ڈسکاؤنٹ دیتی ہیں اور شاپنگ سنٹر کے اندر خریداروں کا ہجوم رہتا ہے۔

بلیک فرائی ڈے اپنے تصور کے لحاظ سے ایک اچھی چیز ہے۔ کسی تہوار سے پہلے اس طرح رعایتی نرخ پر اشیا کی فروخت اپنی ذات میں ایک اچھا تصور ہے۔ اس کے نتیجے میں غریب اور کم آمدنی والے طبقات بھی تہوار کی خوشیوں میں شریک ہو جاتے ہیں۔ اسے ہمیں ضرور اپنانا چاہیے لیکن کچھ ترمیم کے ساتھ۔

ہمارے ہاں 97 فی صد مسلمان ہیں جن کا تہوار عید ہے، کرسمس نہیں۔ اس لیے بلیک فرائی ڈے جیسی چیز ضرور منائی جائے لیکن اس کا وقت اور نام ٹھیک کر لیا جائے۔ ہم اس کا نام بلیک فرائی ڈے سے بدل کر کچھ اور جیسے گرین فرائی ڈے رکھ سکتے ہیں۔ جبکہ اس دن کا درست موقع محل رمضان سے قبل ہے۔ یہ عید کا تہوار ہے جس میں عام لوگوں کو سستی اشیا کی ضرورت ہوتی ہے، کرسمس نہیں۔ اس لیے تاجر برادری منافع ضرور کمائے لیکن ہماری تہذیبی روایات کو مدنظر رکھے۔ اس کے ساتھ ضروری ہے کہ اشرافیہ کے ساتھ عام لوگوں تک اس کا دائرہ وسیع کیا جائے۔

بدقسمتی سے ہمارے ہاں عید پر اشیاء کی قیمتیں کم کرنے کے بجائے بڑھانے کا رواج عام ہے۔ ایسے میں اگر مغری تہذیب کی پیروی میں کوئی اچھی چیز ہمارے ہاں آ رہی ہے تو کم از کم کچھ معقولیت کے ساتھ آئے۔ ہم میں اگر اتنی زندگی بھی نہیں پائی جاتی تو ہماری تہذیب جلد ہی مردہ ہو جائے گی۔

ہندوستان تباہی کے راستے پر......

عقلمند دوسروں کی تباہی سے سبق سیکھتے ہیں، مگر نادان دوسروں کی بربادی سے سیکھنے کے بجائے دوسروں کی غلطیاں دہراتے چلے جاتے ہیں۔ یہاں تک کہ وہ خود بھی تباہ ہوجاتے ہیں۔ ہزاروں برس کی انسانی دانش کا یہ وہ نچوڑ ہے جس سے بھارتی فکری اور سیاسی قیادت نے بظاہر آنکھیں بند کررکھی ہیں۔ یوپی کے نئے وزیراعلیٰ کا انتخاب کم ازکم یہی بتاتا ہے۔

ہندوانتہا پسندی کی تاریخ بہت پرانی ہے۔ ہندوستان کی آزادی کے بعداس کا پہلا بڑا اظہار اس وقت ہوا جب مہاتما گاندھی کو ایک ہندوانتہا پسند ناتھورام گوڈسے نے اس جرم میں قتل کردیا کہ انھوں نے مسلمانوں کے قتل عام پر احتجاج کرتے ہوئے مرن برت رکھا ہوا تھا۔ گوڈسے ہندوؤں کی انتہا پسند تنظیم آرایس ایس کا ایک رکن تھا۔ پھر اس تنظیم کے بطن سے اس کی سیاسی اولاد بی جے پی نے جنم لیا اور آخر کار عشروں سے قائم سیکولر کانگریس کی برتری کو نگل گئی۔

سیاسی محاذ پر ہندوانتہا پسندی کی یہ ایک بڑی فتح تھی۔ جس کے بعد انتہا پسندی کا یہ سفراور آگے بڑھا اور گجرات کے قصائی کا خطاب پانے والے نریندر مودی اقتدار کے سنگھاسن پر براجمان ہوئے۔ اس سفر کا ایک حالیہ سنگ میل بھارت کی سب سے بڑی ریاست اتر پردیش یا یوپی میں بی جے پی کی فتح کے بعد یوگی ادتیاناتھ کا بطور وزیراعلیٰ تقرر ہے۔ یوپی بھارت کی سب سے بڑی ریاست ہے جس کی آبادی پاکستان سے زیادہ ہے۔ اس کی بیس کروڑ آبادی میں تقریباً بیس فیصد یعنی چار کروڑ مسلمان بستے ہیں۔ لکھنؤ، کان پور، مرادآباد، الہ آباد، میرٹھ، آگرہ اوراعظم گڑھ جیسے تہذیبی شہر اس علاقے میں واقع ہیں۔

ایسے علاقے میں ایک ایسے شخص کو وزیراعلیٰ بنانا جو ایک انتہا پسند ہندو پنڈٹ ہونے کے ساتھ ایک مسلح ہندو جتھے ہندو یوواوہینی کا بانی ہو، جو اقلیتوں کے خلاف مسلح حملوں، انھیں زبردستی

ہندو بنانے اور مسلمان لڑکیوں کو اغوا کر کے انھیں ہندوؤں سے بیاہنے کی شہرت رکھتا ہو، ہندو انتہا پسندی کے لیے اہم ترین کامیابی ہے۔

تاہم بظاہر انتہا پسندی کی یہ کامیابی دراصل ہندوستان کی تباہی کا آغاز ہے۔ انھوں نے پاکستان میں انتہا پسندی کے فروغ سے کچھ نہیں سیکھا۔ یہ نہیں سیکھا کہ انتہا پسندی کا جن جب بے قابو ہوتا ہے تو اپنے جنم دینے والوں کی زندگی اجیرن بنا دیتا ہے۔ یہ نہیں سیکھا کہ اس کے نتیجے میں کیسے عام لوگوں کی جان و مال تباہ و برباد ہوتی ہے۔ یہ نہیں سیکھا کہ انتہا پسندی سے کیسے علم وفن اور حکمت و دانش کی موت واقع ہوتی ہے۔

یہ اللہ کا شکر ہے کہ پاکستان انتہا پسندی کی سیاہ رات سے نکل رہا ہے۔ اس کی وجہ خود مذہب اسلام ہے جو انتہا پسندی کے خلاف سب سے بڑی رکاوٹ ہے۔ اس دین متین کی حقیقی تعلیمات انتہا پسندی کی جڑیں کاٹ دیتی ہیں۔ پھر عملاً پاکستان کے عوام وخواص نے انتہا پسندی کے خلاف ایک بھرپور جنگ لڑی ہے اور لڑ رہے ہیں۔

دوسری طرف ہندوستان کے عوام ہی نہیں، ان کے خواص بالخصوص ان کا میڈیا اس انتہا پسندی کو فروغ دینے کا ذمہ دار ہے۔ اس میں کوئی شک نہیں کہ پاکستان سے اس حوالے سے بہت غلطیاں ہوئی ہیں۔ سب سے بڑی غلطی واجپائی اور نواز شریف سمجھوتے کے بعد کارگل کا وہ غیر ضروری ایڈونچر تھا جس نے ہندوستان کو مزید انتہا پسندی کی طرف دھکیل دیا اور کشمیر کے پرامن حل کی امیدیں مکمل طور پر نہ سہی، مگر ایک طویل عرصے کے لیے ختم کر دیں۔ آج بھی ہمارے انتہا پسند بالواسطہ طور پر ہندو انتہا پسندی کو مزید بڑھا رہے ہیں۔

مگر ہندوستان کے فکری طبقات، میڈیا اور سیاستدانوں کی غلطیاں بھی ہمالیائی نوعیت کی ہیں۔ ان میں سب سے بڑی غلطی ایک طاقتور اور بڑا ملک ہونے کے باوجود نفرت اور انتہا پسندی

کے ماحول کو بڑھاتے چلے جانا ہے۔اس نفرت اورانتہا پسندی کی جڑیں تاریخ میں ہزاروں برس تک پیچھے جاتی ہیں۔سکندر یونانی سے لے کر انگریزوں تک پچھلے دو ہزار برس سے ہندوستان مسلسل بیرونی حملہ آوروں کا نشانہ رہا ہے۔غلامی،لوٹ مار، بیرونی آقاؤں کی حکمرانی اوران کے ہاتھوں شکست کے داغ شاید ہندونفسیات میں اتنے گہرے ہیں کہ وہ ان سے نکل کر نئے دور کے نئے تقاضوں اورامکانات کو سمجھنے سے قاصر ہیں۔وہ یہ سمجھنے سے قاصر ہیں کہ اسلحے کے انبار کے بجائے معاشی ترقی، زمینی قبضے کے بجائے علاقائی تعاون اورانتہا پسندی کے بجائے رواداری ترقی کا زیادہ بہتر ذریعہ ہے۔

یہ بات اگر ہندوستان نے نہیں سمجھی تو اندورنی طور پر باہمی تفرقے اور خارجی طور پر پاکستان اورچین کی طرف سے ہندوستان کوایسے شدید چیلنجز پیش آئیں گے جن سے اس کا سپر پاور بننے کا خواب بکھر جائے گا۔یہ الگ بات ہے کہ اس کی بہت بھاری قیمت پاکستان کو بھی دینی پڑسکتی ہے کیونکہ دونوں ملکوں نے ایک دوسرے کے چپے چپے کوایٹمی ہتھیاروں کا نشانہ بنارکھا ہے۔

اس لیے خود اہل پاکستان کی یہ ذمہ داری ہے کہ ہندوانتہا پسندی کوشکست دینے میں اپنا حصہ ڈالیں۔اس کا طریقہ یہ ہے کہ ہم اپنے اندر کے انتہا پسندوں کوشکست دیں۔انتہا پسندی کا اصول یہ ہوتا ہے کہ ایک ملک کا انتہا پسند دوسرے ملک کے انتہا پسند کا مددگار ہوتا ہے۔یہ بڑھکیں اِدھر لگاتا ہےاور جواب اُدھر سے آتا ہے۔یہ تیل اِدھر ڈالتا ہےاورآگ اُدھر بڑھکنے لگتی ہے۔یہ اِدھر تشدد کی فصل اگاتا ہےاوروہ اُدھر اپنے سیاسی اورسماجی قد کاٹھ میں اضافہ کرتا ہے۔

وقت آگیا ہے کہ باشعور لوگ اٹھیں اور ہردوطرف کے نفرت پھیلانے والوں کو لگام ڈالیں۔وقت آگیا ہے کہ اہل اسلام خودکوداعی اوردوسروں کومدعو سمجھیں۔وقت آگیا ہے کہ اسلام کی محبت اورخیرخواہی کی تعلیم سے دنیا کوروشن کردیا جائے۔یہی راہ عمل ہے۔یہی راہ نجات ہے۔

قول سدید اور اہل مذہب

پچھلے دنوں سوشل میڈیا پر ایک عالم دین کا مضمون نظر سے گزرا۔ یہ مضمون جیو ٹی وی کے اینکر شاہ زیب خانزادہ صاحب کے ایک پروگرام کے حوالے سے تھا جو جوابی بیانیہ کے موضوع پر ہوا تھا۔اس میں صاحب مضمون نے اپنے نقطہ نظر کے علمی دلائل دیے تھے۔

علم کی دنیا میں ظاہر ہے کہ ہر شخص کو رائے قائم کرنے اور دوسروں سے اختلاف کرنے کی آزادی ہے۔ یہاں ایک شخص غلطی کر کے بھی اپنی نیت کی بنیاد پر رب کی بارگاہ میں سرخرو ہوسکتا ہے۔مگر اخلاقی حدود کی خلاف ورزی وہ چیز ہے جس پر قیامت کے دن انسان کی پرسش ہوگی۔ خاص کر کسی معاشرے کے بڑے اور نمائندہ لوگ اگر ایسے معاملات میں غیر محتاط ہو جائیں تو پھر عوام الناس پر ایسے ہی قیامت ڈھاتے ہیں جیسے ہمارے ہاں ڈھائی جا رہی ہے۔

عالم دین نے مضمون کا آغاز اس جملے سے کیا تھا کہ 13 مارچ کو جناب شاہ زیب خانزادہ کے پروگرام میں، میں نے مختصر بات کی، اس کے بعد علامہ جاوید احمد غامدی کو اپنی بات تفصیل سے کہنے کا موقع دیا گیا۔اس جملے کا صاف مطلب یہ تھا کہ اینکر پر جانب داری کا الزام لگایا جا رہا ہے۔

جس کے بعد حقیقت جاننے کے لیے اس خاکسار نے یوٹیوب پر اس پروگرام کی ریکارڈنگ بھی دیکھی۔ جو پہلی بات میں نے نوٹ کی وہ یہ کہ اس پروگرام میں اینکر نے دونوں علما سے برابر یعنی دو دو سوال کیے۔ عالم دین نے پہلے سوال کا جو جواب دیا وہ پروگرام ٹائم لائن میں 12:24 سے 15:35 منٹ پر دیکھا جا سکتا ہے اور اس کا دورانیہ تین منٹ گیارہ سیکنڈ بنتا ہے۔ جبکہ دوسرے جواب کو 15:59 سے 16:30 منٹ پر دیکھا جا سکتا ہے اور اس کا دورانیہ 31 سیکنڈ بنتا ہے۔ یوں مجموعی طور پر ان کو تین منٹ اور بیالیس سیکنڈ دیے گئے۔

اس کے بعد اینکر نے دوسرے شریک گفتگو یعنی جاوید صاحب سے بھی دو ہی سوال کیے۔ انھوں نے پہلے سوال کا جو جواب دیا وہ پروگرام ٹائم لائن میں 17:47 سے 20:47 میں دیکھا جا سکتا ہے۔ اس کا دورانیہ تین منٹ بنتا ہے۔ دوسرے جواب کو 21:24 سے 23:00 منٹ میں دیکھا جا سکتا ہے اور اس کا دورانیہ ایک منٹ چھتیس سیکنڈ بنتا ہے۔ یوں ان کو دیا گیا مجموعی وقت چار منٹ چھتیس سیکنڈ بنتا ہے۔

اس تفصیل کا مطلب یہ ہے کہ اینکر نے دونوں اہل علم سے برابر سوال کیے اور کوئی کمی بیشی نہیں کی۔ پھر دونوں کے سوال کے جواب میں اینکر بیچ میں بالکل نہیں بولے۔ پہلے عالم کو تین منٹ بیالیس سیکنڈ اور جاوید صاحب کو چار منٹ چھتیس سیکنڈ ملے جو عالم دین کے وقت سے گو چون (54) سیکنڈ زیادہ ہے، مگر سوال یہ ہے کہ کس اخلاقی معیار پر یہ بات درست ہے کہ اس صورتحال کو اس طرح بیان کیا جائے کہ میں نے مختصر بات کی، اس کے بعد دوسرے عالم کو اپنی بات تفصیل سے کہنے کا موقع دیا گیا؟

اگر صاحب مضمون سے کم سوالات کیے جاتے یا ان کی گفتگو کے بیچ میں مداخلت کی جاتی تو یقیناً یہ شکایت بجا ہوتی۔ مگر یہاں ایسی کوئی بات نہیں ہوئی۔ اس لیے صاحب مضمون کا یہ دعویٰ ہر اعتبار سے نامناسب ہے۔

صرف یہی نہیں بلکہ صاحب مضمون نے اپنے ارشادات میں یہ بھی فرمایا کہ اینکر نے غامدی صاحب سے یہ سوال کیا کہ ''ریاست اپنی ہی ماضی کی پالیسیوں کا شکار بن جاتی ہے۔'' علامہ غامدی نے اس سوال کا جواب گول کر دیا۔

حقیقت یہ ہے کہ یہ بھی غلط بیانی ہے۔ مذکورہ بالا الفاظ اینکر نے ادا تو کیے تھے، مگر یہ سوال نہیں بلکہ ان کا اپنا تبصرہ تھا جو وہ اصل سوال اٹھانے پہلے کر رہے تھے۔ اس تبصرے کے بعد ان کا

اصل سوال الفاظ کے معمولی فرق کے ساتھ یہ تھا کہ ایسے کیا اہم نکات ہیں جن پر ریاست کام کرے تو یہ کہا جا سکتا ہے کہ دہشت گردی کے علاوہ انتہا پسندی کو بھی کاؤنٹر کرنے کے لیے ریاست نے یہ جوابی بیانیہ ترتیب دیا ہے؟ یہ ساری تفصیل یوٹیوب پر دیکھی جا سکتی ہے۔

ہم اس معاملے کے علمی اور فکری پہلو پر کوئی بات نہیں کرنا چاہتے۔ اس لیے کہ علمی و فکری مباحث میں آراء قائم کرنا ہر شخص کا حق ہوتا ہے۔ یہ حق اللہ تعالیٰ نے دیا ہے۔ اس میں کسی سے اجتہادی غلطی ہو جائے تب بھی اجر کی بشارت بعض صحیح روایات میں دی گئی ہے۔

مگر جو دو مثالیں ہم نے بیان کی ہیں کہ ان میں کوئی علمی اور فکری بحث نہیں۔ یہ اخلاقی مسئلہ ہے۔ ہر قاری یوٹیوب پر اس پروگرام کی ریکارڈنگ دیکھ کر صاحب مضمون کی صداقت کو جانچ سکتا ہے۔ بدقسمتی سے یہ دونوں مثالیں یہ بتانے کے لیے کافی ہیں کہ ہمارے ہاں ٹاپ کے مذہبی لیڈر بھی اخلاقی حدود سے کتنے بے پروا واقع ہوئے ہیں۔ حالانکہ اہل مذہب کو سب سے بڑھ کر ''قول سدید'' کا علمبردار ہونا چاہیے۔ ''قول سدید'' اور ''اذا قلتم فاعدلوا'' کے قرآنی حکم سے بڑے اہل علم کا یہی وہ اعراض ہے جس کے نتیجے میں عام لوگ انتہا پسندی اور نفرت کا شکار ہو جاتے ہیں۔ وہ کبھی اپنی زبان سے، کبھی قلم، کبھی رویے سے، کبھی نعروں سے، کبھی جلسے جلوسوں میں اور کبھی اسلحہ ہاتھ میں اٹھا کر ظلم اور زیادتی کا ارتکاب کرتے ہیں اور پنے لیے غضب الٰہی اور جہنم کی آگ کو بھڑکا دیتے ہیں۔

یہ آگ بلاشبہ عنقریب ان کو جلائے گی، مگر اس کا ایک حصہ ان لوگوں کو بھی برداشت کرنا ہوگا جو جھوٹ، مبالغے اور غلط بیانی سے اس آگ کو بھڑکاتے ہیں۔ جو لوگوں کی نیتوں کو زیر بحث لاتے ہیں۔ جو خود کو آخری حق اور دوسرے کو سراپا باطل سمجھتے ہیں۔

سلسلہ روز وشب

ابو یحییٰ

پشاور، لاہور اور اسلام آباد کا سفر

(دوسری اور آخری قسط)

نئے شہر

پشاور کے احباب کے رخصت ہونے کے بعد برادر عزیز ندیم اعظم صاحب کے ساتھ میں ان کے گھر کی طرف روانہ ہوا۔ان کا گھر راولپنڈی کے مضافات میں واقع بحریہ ٹاؤن میں ہے۔ بحریہ ٹاؤن پاکستان میں رئیل اسٹیٹ بزنس میں ایک منفرد تجربے کا نام ہے۔ میں ہمیشہ اس بات کا قائل رہا ہوں کہ شہر کے اندر آبادیاں بنانے کے بجائے شہر سے باہر نئے اور چھوٹے شہر بنانے چاہئیں۔ مگر ظاہر ہے کہ اس طرح کے کسی منصوبے کو قابل عمل بنانا بہت مشکل کام ہے۔

بحریہ ٹاؤن کے مالک ملک ریاض صاحب نے اس ناممکن کو ممکن کر دکھایا ہے۔ تاہم اصل میں یہ حکومتوں کے کرنے کا کام ہوتا ہے۔اس کی سب سے بہتر شکل یہ ہوتی ہے کہ انڈسٹریل ایریا کی شکل میں لوگوں کے روزگار کا بندوبست کسی دور افتادہ علاقے میں کیا جائے۔ کاروباری طبقات کو ٹیکس پر زبردست چھوٹ دی جائے اور پھر وہاں پر ساری شہری سہولتیں اعلیٰ درجے میں فراہم کی جائیں۔ اس سے فائدہ یہ ہوتا ہے کہ ملک میں صنعت وحرفت میں زبردست ترقی ہوتی ہے۔ لوگوں کو روزگار ملتا ہے اور ساتھ ہی سستی رہائش کا بندوبست بھی ہو جاتا ہے۔ گویا فرد اور ریاست دونوں کو زبردست فوائد ہوتے ہیں۔ سفر کے اگلے حصے میں جب میں اپنے ادارے کے بعض احباب کے ہمراہ نتھیا گلی جا رہا تھا تو ہمارے ساتھ نجم صاحب نے جو اکثر و بیشتر کاروبار کے

www.inzaar.org

سلسلے میں چین جاتے رہتے تھے یہ بتایا کہ چین میں اس طرح کے پہاڑوں پر حکومت نے جگہ بنا کر اسی طرح مقامی انڈسٹری کو فروغ دے کر مقامی لوگوں کو نہ صرف انھی کے علاقوں میں روزگار فراہم کیا ہے بلکہ دیہی آبادی کے شہروں کی طرف انتقال کے عمل کو بھی سست کر دیا ہے۔

بدقسمتی سے ہمارے ہاں اس طرح کی کوئی کوشش کبھی کی نہیں جاتی اور کبھی کوئی کوشش کی گئی جیسے کراچی کے قریب نوری آباد کا علاقہ تو وہاں سہولیات کی عدم موجودگی کی وجہ سے لوگ وہاں جانے کو تیار نہیں ہوتے۔ بحریہ ٹاؤن میں صنعتی علاقے تو نہیں بنائے لیکن شہر کے مضافات میں وہ رہائشی سہولیات اس طرح مہیا کر دیں کہ لوگ وہاں جا کر اعلیٰ طرز زندگی کو ضرور انجوائے کر سکتے ہیں۔

مثلاً میں جن برسوں میں بحریہ ٹاؤن میں شدید گرمی میں جاتا رہا ہوں اس میں پورا پاکستان لوڈ شیڈنگ کے عذاب میں مبتلا رہا لیکن یہاں پر کبھی لوڈ شیڈنگ نہیں ہوتی۔ اسی طرح دیگر پہلوؤں سے بھی یہ جگہ بہترین رہائش کے لیے ایک موزوں جگہ ہے۔

کاش ہماری حکومتیں اس طرف کچھ توجہ کریں۔ مگر یہ اسی وقت ہوگا جب ہمارے عوام حکمرانوں کو یہ باور کرا دیں گے کہ وہ کسی قسم کی جذباتیت میں آنے کے بجائے عوامی سہولیات کی بنیاد پر حکمرانوں کا انتخاب کریں گے۔

گھر پہنچے تو بھابھی ہماری منتظر تھیں۔ یہ دونوں میاں بیوی اپنی شخصی خوبیوں اور دین کی خدمت دونوں پہلوؤں سے چانداور سورج کا ایک جوڑا ہے۔ اللہ تعالیٰ سے دعا ہے کہ ان کے علم وعمل میں برکت عطا فرمائے۔

ترقی کا وژن

میں اسلام آباد میں صرف رات بھر کے لیے رکا۔ صبح بذریعہ ڈائیوو بس سروس لاہور کے لیے

روانہ ہوا جہاں ہمارے احباب نے لاہور بک فیئر میں اسٹال لگا رکھا تھا۔بس کا سفر بے حد آرام دہ تھا۔راستے میں ہلکی ہلکی بارش ہوتی رہی۔بس مقررہ وقت کے عین مطابق اپنی منزل مقصود پر پہنچ گئی۔بس تھوڑی سی تاخیر اس وجہ سے ہوئی کہ کلمہ چوک کے پاس سڑک زیر تعمیر تھی۔

لاہور میں انفرااسٹرکچر کی تعمیر کا کام بڑے پیمانے پر ہوا ہے اور ابھی بھی جاری ہے۔اورنج ٹرین نام کا ایک پروجیکٹ بھی شہر میں زیر تعمیر دیکھا۔جس موٹروے سے میں یہاں آیا وہ خود عوامی سہولت کا ایک اہم منصوبہ تھا۔مسلم لیگ کے مخالفین اس نوعیت کے منصوبوں پر زبردست تنقید کرتے ہیں۔میں اس طرح کے لوگوں کے بارے میں یہی عرض کرتا ہوں کہ کچھ عرصے کے لیے ان کو صوبہ سندھ میں چھوڑ دینا چاہیے۔انھیں معلوم ہو جائے گا اہل پنجاب بہر حال ہم اہل سندھ سے بہت بہتر ہیں۔صوبہ سندھ کی پیپلز پارٹی ترقیاتی کاموں کے کسی جھنجھٹ میں پڑنے کی زحمت ہی نہیں کرتی کہ وہ اندرون سندھ کے ووٹوں کی بنیاد پر اطمینان سے برسہا برس سے سندھ میں بغیر کسی کام کے حکومت کر رہی ہے۔مگر اس دفعہ مردم شماری میں اگر درست ہوئی تو لازماً شہری سندھ کی نشستیں بڑھیں گی۔شاید اسی اندیشے سے نئے وزیر اعلیٰ نے کچھ ترقیاتی کام شروع کیے ہیں۔

مجھے یہ بتایا گیا کہ پرویز الٰہی صاحب کا دور ایجوکیشن اور صحت کے حوالے سے بہتر تھا۔یہی ترجیحات تحریک انصاف نے صوبہ کے پی کے میں اختیار کی ہیں۔ نیز پولیس ریفارم کا کام بھی بڑے پیمانے پر کیا ہے۔تاہم وہاں انفرااسٹرکچر پر زیادہ کام نہیں ہوا ہے۔

ان تمام کاموں کی اپنی اہمیت ہے اور یہ ضروری ہے کہ حکومتیں عوامی فلاح کے تمام شعبوں جیسے صحت، تعلیم، انفرااسٹرکچر، بنیادی انتظامی ڈھانچے کی بہتری، بیوروکریسی اور عدلیہ میں بہتری کی کوشش کریں۔تاہم جو کام اصلاً کرنے کا ہے اور بدقسمتی سے اس پر کوئی توجہ نہیں ہے وہ

ملک کو اقتصادی ترقی کی راہ پر ڈالنا ہے۔

اقتصادی ترقی پر کام کیے بغیر جو ترقیاتی کام ہوں گے ان کی مثال ایسے ہی ہے کہ جیسے کوئی شخص قرض لے کر اپنے گھر کی تزئین و آرائش یا ضروریات پوری کرے۔ اس سے وقتی طور پر خوشحالی کا ایک تاثر پیدا ہوگا لیکن مجموعی طور پر ملک مسائل کے بھنور میں گھرتا چلا جائے گا۔ اس وقت ہمارے ہاں جتنے بھی ترقیاتی اخراجات ہوتے ہیں ان کا ایک بڑا حصہ سودی قرضوں کا مرہون منت ہے۔ ہمارے قرضے انتہائی خوفناک شرح سے بڑھ رہے ہیں۔ یہ قرضے کم نہ ہوئے تو انفرااسٹرکچر اور دیگر ترقیاتی کام سب بے کار ہو جائیں گے۔

اس مسئلے کا حل یہ ہے کہ ہم چھوٹے چھوٹے انڈسٹریل زون بنائیں۔ وہاں ہر طرح کا ترقیاتی کام ہو۔ چاہے اس کے لیے قرضے لیے جائیں۔ اس کے نتیجے میں نیا انفراسٹرکچر تو اسی طرح بنے گا۔ لیکن ساتھ ساتھ روزگار کے دروازے کھلیں گے اور سب سے بڑھ کر اس ملک کی برآمدات میں اضافہ ہوگا۔ یوں ملک اس ممکنہ معاشی بحران سے نمٹنے کے قابل ہو جائے گا جو اندھا دھند قرضوں کی بنا پر کسی وقت بھی ملک کی جڑیں ہلا سکتا ہے۔ پھر یہ راستہ ہمارے ایک بڑے اہم سماجی مسئلے کو بھی حل کر سکتا ہے۔ وہ یہ کہ بے روزگاری کی وجہ سے نوجوان نہ صرف جرائم کی طرف راغب ہوتے ہیں بلکہ نوجوان بچے بچیوں کی شادیاں نہیں ہو پاتیں۔ جس سے کئی طرح کے نفسیاتی، سماجی اور اخلاقی مسائل پیدا ہو رہے ہیں۔ جب نوجوانوں کو روزگار ملے گا تو نہ صرف غربت کم ہوگی بلکہ نوجوانوں کی شادی کا وہ دروازہ کھلے گا جس کے بند ہونے کی بنا پر طرح طرح کے نفسیاتی مسائل اور بدکاری وغیرہ عام ہو رہی ہے۔

بدقسمتی سے اس وقت ہماری ساری امیدیں صرف اکنامک کوریڈور سے وابستہ ہیں۔ اس کی افادیت اپنی جگہ مگر یہ بھی حقیقی معنوں میں اسی وقت مفید ہوگا جب اس کے ساتھ جگہ جگہ

چھوٹے بڑے صنعتی شہر بنائیں جائیں۔

لاہور بک فیئر

ہماری رہائش لاہور ایکسپو سنٹر کے قریب ہی ایک آرام دہ ریسٹ ہاؤس میں تھی جس کا انتظام ادارے کے ایک رفیق سرفراز صاحب نے کرایا تھا۔کراچی سے اس بک فیئر کے لیے سات رضا کار آئے تھے۔الحمدللہ ان کی قربانی کے نتیجے میں ہمارا اسٹال بہت کامیاب رہا اور بڑی تعداد میں لوگوں نے کتابیں خریدیں۔ تاہم مجموعی طور پر کراچی کے مقابلے میں یہاں آنے والے لوگوں کی تعداد کافی کم تھی۔ کراچی کے برعکس جہاں تین ہال ہوتے ہیں یہاں صرف ایک ہال میں اسٹال تھے اور ویک اینڈ پر بھی اس ہال میں رش نظر نہیں آیا۔لاہور جیسے علم وفن کے قدردان شہر میں کتابوں کی یہ بے وقعتی دیکھ کر بہت افسوس ہوا۔اس سے زیادہ دکھ اس بات کا ہوا کہ ایکسپو سنٹر سے ذرا پہلے ایک شاپنگ سنٹر کھلا تھا جس میں ہر وقت گاڑیوں کے ازدحام سے ٹریفک جام رہتا تھا۔مگر کتابوں کے لیے آنے والوں کی تعداد مقابلتاً بہت کم تھی۔

روانگی سے ایک رات قبل تمام رضا کاروں کے ہمراہ ہم نے قریب ہی واقع ایک ریسٹورنٹ میں ڈنر کیا۔اگلے دن عدیل صاحب، غازی صاحب، شفیق صاحب کو کراچی لوٹنا تھا جبکہ باقی لوگوں کو اسلام آباد جانا تھا۔

ریسٹورنٹ کی طرف جاتے ہوئے ہمارے ساتھ شفیق صاحب نے دلچسپ تبصرہ کیا کہ یہاں خواتین زیوارت پہنے نظر آرہی تھیں۔ان کی اس بات کا پس منظر یہ تھا کہ شہر کراچی میں اتنی وارداتیں ہوتی ہیں کہ خواتین نے اب کانوں کے بندے اور چوڑی وغیرہ جیسے عمومی زیورات پہننے بھی چھوڑ دیے ہیں۔ پاکستان کے بیشتر باسی نہیں جانتے کہ صوبہ سندھ اور خاص کر کراچی کے باشندے دو دہائیوں سے کس عذاب میں گھرے ہوئے ہیں۔اس وقت جو حالات بہتر

ہوئے ہیں اس کا مطلب صرف اتنا ہے کہ پہلے شہر میں جو روزانہ بیس تیس لوگ مرتے تھے، وہ نہیں مررہے باقی سب کچھ ویسا کا ویسا ہی ہے۔ یہ سیاست کولسانی عصبیت سے آلودہ کرنے اور انتظامی بنیادوں پر چھوٹے صوبے نہ بنانے کا ایک نتیجہ ہے۔

ملاقاتیں

لاہور آنے کا ایک دوسرا مقصد بعض احباب کے ہاں تعزیت کے لیے جانا اور کچھ لوگوں سے ملاقاتیں کرنا تھا۔ پہلے دن سب سے پہلے برادر عزیز مبشر نذیر ملاقات کے لیے تشریف لائے۔ مبشر ایک غیر معمولی صلاحیت کے مالک ہیں جنھوں نے پچھلے برسوں میں بہت زبردست علمی اور تعلیمی کام کیا۔ بدقسمتی سے تین برس قبل وہ ایک سخت حادثے کا شکار ہوئے اور دماغ پر شدید چوٹیں آئیں۔ اللہ نے ان کی جان بچائی، مگر ابھی بھی ان کی ریکوری جاری ہے۔ اللہ سے دعا ہے کہ ان کو جلد از جلد مکمل شفائے کاملہ عاجلہ عطا فرمائیں۔

اسی رات لاہور میں موجود بعض قریبی والنٹیئر ز کے ساتھ ایک ڈنر تھا۔ ڈنر پر تو ان احباب کو ہم نے بلایا تھا لیکن لاہور کی سارہ عباس صاحبہ نے اس ڈنر کا انتظام اپنے ذمے لے لیا تھا۔ وہ اپنی والدہ بریگیڈیر (ر) ڈاکٹر شمیم عباس صاحبہ کے ہمراہ کھانا لے کر آئی تھیں۔ اسی نشست میں لاہور ہی سے عمران خالد صاحب اور فیصل آباد سے عابد علی صاحب بھی تشریف رکھتے تھے۔ ان سب سے بالمشافہ یہ میری پہلی ملاقات تھی۔ یہ ہماری ٹیم کے اہم ممبران ہیں اور انھیں کے تعاون سے انٹرنیٹ پر ایمان واخلاق پر مبنی ہمارا پیغام لاکھوں لوگوں تک الحمدللہ پہنچ رہا ہے۔ اس پوری آن لائن ٹیم کی ذمہ داری عدیل صاحب کے سر ہے جو کراچی سے خاص طور پر تشریف لائے تھے۔ ان کے علاوہ کراچی سے آنے والی پوری ٹیم بھی اس موقع پر موجود تھی۔ کھانے پر اور اس سے قبل اور بعد بھی احباب سے مختلف موضوعات پر تفصیلی گفتگو ہوئی اور متعدد سوالات زیر

بحث آئے۔ میں نے اس ملاقات میں اوراگلی صبح نئے والنٹیئر ز کے ساتھ گفتگو میں بھی جس چیز کی طرف توجہ دلائی وہ یہ تھی کہ ہم ایک ایسے خوش نصیب دور میں پیدا ہوئے ہیں جب جنت اور اس کے اعلیٰ درجات کا حصول ہر دور سے زیادہ آسان ہو چکا ہے۔ہمیں کسی خارجی جبر سے نہیں صرف اپنے آپ سے لڑنا ہے۔ میں نے احباب کے سامنے اس حقیقت کو رکھا کہ اللہ نے ہم کو جنت کی فلاح حاصل کرنے کا کتنا زبردست موقع دیا ہےاورنصرت دین کا کام دور جدید میں کتنا سہل وآسان ہوگیا ہے۔ میں نے یہ بھی توجہ دلائی کہ ہمارا کام لوگوں تک اپنے رب کا پیغام پہنچانا ہے۔لوگوں کو بدلنا نہیں۔ بدلنا ہمیں اپنے آپ کو ہے۔

دور جدید کی مذہبی فکر کی اصل خرابی یہی ہے کہ لوگوں کے دماغ میں دوسروں کو بدلنے کا سودا سمایا ہوا ہے۔ وہ نہیں جانتے کہ یہ تو رب کی اسکیم ہی نہیں۔ وہ چاہے تو کس کی مجال ہے کہ اس کی مرضی کے خلاف ایک انچ چل سکے۔ مگر وہ تو یہ چاہتا ہے کہ علم واستدلال پر مبنی ایمان واخلاق کا اس کا پیغام ملے تو اس کے بندے بغیر کسی جبر کے اپنی مرضی سے اس کے سامنے سر تسلیم خم کردیں۔اس کی عظمت کے سامنے ڈھیر ہو جائیں۔ جنت انھی صالحین کا بدلہ ہے۔

مگر جب لوگ یہ بات نہیں سمجھتے تو آخر کار ان کو غصہ آجاتا ہے۔ یہاں تک کہ وہ ناحق قتل و غارت گری کر کے اسلام نافذ کرنے کی کوشش کرتے ہیں۔یہی چیز اس وقت دنیا بھر میں اسلام کی بنیادی ناکامی کا سبب بن رہی ہے۔

اگلی صبح بھی کچھ مزید احباب ملنے کے لیے تشریف لائے۔ایک صاحب نے بتایا کہ فرقہ واریت کے مختلف مظاہر نے ان کو ڈپریشن کے مرض میں مبتلا کردیا ہے۔ جو دیگر احباب موجود تھے،ان میں سے نادر صاحب لاہور سے باہر گئے ہوئے تھے،مگر میرے آنے کا سن کا خاص طور پر تشریف لائے۔نادر صاحب بڑی دلچسپ شخصیت کے مالک ہیں۔ بقول ان کے وہ علمی وفکری

آدمی نہیں بس نیکی کے کاموں کے سہولت کار ہیں۔ چنانچہ ان کی سہولت کاری سے فائدہ اٹھاتے ہوئے یہ خاکسار اور انذار کے سیکریٹری جنرل سلمان شہزاد صاحب ان ہی کے ساتھ جناب جواد صاحب اور نعیم بلوچ صاحب کے ہاں تعزیت کے لیے گئے جبکہ دوپہر کا کھانا بھی انھی کی میزبانی میں کھایا۔

اگلے دن آخری ملاقات دنیا نیوز اخبار کے ایڈیٹر شاہد دھلوی صاحب کے ساتھ ہوئی جو بہت تفصیلی ملاقات تھی۔ اس میں بہت سے موضوعات پر تفصیلی گفتگو ہوئی۔ پھر وہ میرے ساتھ ایکسپوسنٹر بھی تشریف لے گئے اور وہاں مختلف لوگوں سے ملاقاتیں کروائیں۔ شاہد صاحب اس طویل ملاقات میں مجھے اسی پر آمادہ کرتے رہے کہ میں اپنا مزاج بدل کر پبلک میں زیادہ آیا کروں۔

میرا معاملہ یہ ہے کہ میں لوگوں سے ملنا پسند نہیں کرتا۔ میں دعوت دین کا کام نہ کرتا تو شاید دو چار لوگوں کے سوا مجھے کبھی کوئی نہ جان پاتا۔ مگر دعوت کی ذمہ داری کی بنا پر بہرحال لوگوں سے ملنا اس کام کا تقاضہ ہے۔ پبلک میں آنے کے اپنے فائدے ہیں۔ جو قارئین بک اسٹال میں ملے وہ بھی بہت عقیدت اور محبت سے ملے۔ مگر میری خواہش یہ ہے کہ لوگوں کو اپنی ذات سے جوڑنے کے بجائے ان کے رب سے جوڑ دوں۔ بولتا ہوں تو اسی لیے۔ لکھتا ہوں تو اسی لیے۔ ہم آج ہیں کل نہیں رہیں گے۔ ہمارا رب رہے گا۔ اسی کی تعریف ہونا چاہیے۔ اسی کا تعارف ہونا چاہیے۔

نتھیا گلی کا سفر

اسی روز شام چھ بجے ہم بذریعہ ٹرین اسلام آباد روانہ ہوئے۔ میرے ساتھ سلمان شہزاد صاحب، کامران صاحب اور سیف اللہ صاحب تھے۔ ان احباب کے ساتھ سفر کا مقصد یہ تھا کہ

کچھ وقت ساتھ گزارا جائے تاکہ بالواسطہ طور پر تعلیم و تربیت کا موقع مل سکے۔

تعلیم و تربیت کا ایک طریقہ تو درس و تدریس اور اسی نوعیت کے دیگر باضابطہ پروگرام ہوتے ہیں۔اس کے ساتھ ساتھ بالواسطہ طریقے پر کیا گیا تربیت کا کام بہت زیادہ موثر ہوتا ہے۔اس کے لیے سفر میں ساتھ جانا بہت اہم ہوتا ہے۔کیونکہ سفر میں ہر طرح کے واقعات پیش آتے ہیں اور ان میں سیکھنے سکھانے کا بڑا موقع ہوتا ہے۔تاہم میرا نقطہ نظر یہ ہے کہ ایسے اسفار اصلاً تفریحی نوعیت کے ہونے چاہئیں۔تربیت اس میں ثانوی نوعیت کی چیز ہونا چاہیے۔تاہم بالواسطہ طور پر اس میں تربیت ہوتی ہے۔جیسے ٹرین کے اس سفر میں میں مختلف علمی سوالات احباب کے سامنے رکھتا رہا اور ان لوگوں سے جواب پوچھتا رہا جو کہ اکثر و بیشتر انھوں نے ٹھیک بیان کیے۔

اس سفر کی اصل منزل نتھیا گلی تھی۔ چنانچہ لاہور سے ہم اسلام آباد پہنچے۔ یہاں انذار کے فائننس سیکریٹری نجم صاحب بھی ہم سے آملے جو لاہور سے فیصل آباد چلے گئے تھے۔ایک رات ندیم اعظم صاحب کی میزبانی کا لطف اٹھانے کے بعد ہم اگلی صبح نتھیا گلی کے لیے روانہ ہوئے۔ سلمان شہزاد صاحب کے ایک دوست زعیم صاحب کی گاڑی میں ہم روانہ ہوئے۔راستے میں لطیف موضوعات کے ساتھ علمی و فکری گفتگو بھی ہوتی رہی۔میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی ان مختلف دعاؤں کا تعارف کرایا جو آپ سفر کے موقع پر پڑھا کرتے تھے۔اور ان کی حکمت و مصلحت کو واضح کیا۔

مری تک راستہ بالکل ٹھیک تھا۔آگے بڑھے تو ٹھنڈ تیز سے تیز تر، مناظر خوب سے خوب تر اور راستہ خراب سے خراب تک ہوتا چلا گیا۔راستہ میں تین جگہ گاڑیوں کی طویل قطاریں تھیں۔کیونکہ روڈ پر برف پڑی تھی جس میں راستہ بند تھا۔گھومنے کے لیے آنے والے سارے لوگ واپس چلے گئے۔صرف وہی لوگ اس مشکل میں آگے بڑھتے رہے جن کو ایبٹ آباد جانا

تھا۔

ہم نے بھی واپس جانے کا فیصلہ کیا مگر نجم جو گاڑی چلا رہے تھے واپس جانے کے لیے تیار نہ تھے۔ ان کے اصرار کی بنا پر ہم بھی آگے بڑھتے رہے۔ ساتھیوں نے کئی جگہ گاڑیوں کو دھکا لگا کر راستہ صاف کیا۔ خدا خدا کر کے شام کے وقت ہم نتھیا گلی پہنچے اور ایک ہوٹل میں قیام کیا۔

نتھیا گلی ہر طرف سے برف سے ڈھکا ہوا تھا۔ شدید ٹھنڈ تھی۔ اس کے ساتھ چلنے والی تیز ہوا وجود کو کاٹتے ہوئے جسم سے آر پار ہو رہی تھی۔ مگر مناظر اتنے ہی خوبصورت تھے۔ پہاڑوں کے دامن نے برف کی چادر اوڑھ رکھی تھی۔ کہیں درخت گھنے تھے تو سفید برف ان کے بیچ سے جھانک رہی تھی اور کہیں برف زیادہ تھی اور سبز درخت ان سے پھوٹ رہے تھے۔ میں ہوٹل کے ٹیرس میں بیٹھا اس حسین شام میں خداوند دوعالم کے جمال و کمال کے اس عظیم نظارے کی داد دینے پر خود کو مجبور پاتا تھا۔ جمال کا عنصر تو میں نے بیان کر دیا۔ اس کے کمال کا عنصر یہ ہے کہ انسان ایک ایسی کائنات میں آباد ہے جو ہر پہلو سے زندگی کی قاتل ہے۔ اس کائنات میں یا تو لاکھوں درجہ ڈگری کا درجہ حرارت ہے یا پھر اتنا کم کہ زندگی کی ہر رمق کو موت کی نیند سلا دے۔ ایسے میں صرف یہ کرہ ارض ہے جہاں ایک قابل برداشت درجہ حرارت موجود ہے۔ جہاں ہر موسم زندگی کی ایک نئی شکل کو جنم دیتا ہے۔ اسی موسم سرما کو لے لیں۔ اس میں پڑنے والی برف ہی وہ ذریعہ ہے جو سارا سال دریاؤں کو پانی کی فراہمی کا ذریعہ بنی رہتی ہے۔ یہ پانی اور اس سے اگنے والی فصل حیات انسانی کی ضامن ہے۔

ایک طرف خدا کا یہ حسن انتظام اور دوسری طرف ہماری یہ بے تدبیری کے اتنے خوبصورت تفریحی مقام کا راستہ کھلا رکھنے پر بھی ہم قادر نہیں ہیں۔ وگرنہ راستہ صاف ہو، معیاری رہائش ہو تو ہزاروں سیاح یہاں آئیں۔ مگر کس کی بکری اور کون ڈالے گھاس۔ نقصان عوام کا ہوتا ہے۔

حکمران طبقات کو اس کی کیا فکر۔ اس کی ایک مثال اگلی صبح سامنے آئی جب ہم اپنی گاڑی میں اوپر مناظر دیکھنے کے لیے روانہ ہوئے۔ ایک جگہ گہری ڈھلوان تھی اور سڑک پر ہلکی برف آ گئی تھی وہاں ہماری گاڑی پھسل کر بے قابو ہو گئی۔ بمشکل تمام گاڑی کو روکا اور اپنی گاڑی کو دھکا دے کر فوراً پیچھے ہٹا لیا۔ یہ اللہ کا بڑا اکرم تھا کیونکہ دو منٹ بعد ہی وہاں سامنے سے ایک دوسری گاڑی آئی اور وہ بھی بے قابو ہو گئی۔ ہم اپنی جگہ پھنسے رہتے تو وہ ہمیں ٹکر مار کر پہاڑ سے نیچے پھینک دیتی۔

واپسی کے سفر پر روانگی سے قبل میں نے دس منٹ کا ایک رسمی لیکچر دیا۔ جس میں یہ توجہ دلائی کہ اس طرح کے حادثات سے اللہ ہی بچانے والے ہوتے ہیں ہمیشہ ان کی پناہ مانگنی چاہیے۔ دوسری بات میں نے یہ واضح کی جب ہم کسی ناگہانی کا شکار ہوتے ہیں تو یا تو ہمارا ذہن معطل ہو جاتا ہے اور ہم بالکل ساکن ہو جاتے ہیں یا بغیر سوچے سمجھے عمل شروع کر دیتے ہیں۔ جبکہ ہمیں رک کر پہلے سوچنا چاہیے۔ میں نے توجہ دلائی کہ ہماری گاڑی کے سلپ ہو کر پھنسنے کے بعد نجم اسپیڈ دے کر گاڑی کو اس جگہ سے ہٹانا چاہ رہے تھے اور باقی لوگ دھکا لگا رہے تھے۔

جب میں نے دیکھا کہ اس سے کچھ نہیں ہو رہا تھا میں قریب ایک جگہ سے پہاڑ سے کچھ مٹی کے ڈھیلے لایا جسے ٹائروں کے نیچے ڈالنے سے برف کی پھسلن کچھ کم ہو گئی۔ پھر ایک طرف خود اور دوسری طرف کامران کے ذریعے سے بونٹ پر دباؤ ڈال کر ٹائروں کی روڈ پر گرفت کو بڑھا دیا۔ یہ میں نے راستے میں لوگوں کو گاڑیاں برف سے نکالنے کے لیے کرتے ہوئے دیکھا تھا۔ اس کے نتیجے میں گاڑی اس جگہ سے فوراً ہٹ گئی۔ ورنہ ایک منٹ بعد سامنے سے آ کر وہاں پھسلنے والی گاڑی لازماً ہماری گاڑی کو نشانہ بناتی۔

اس میں کوئی شک نہیں کہ یہ اللہ کا کرم تھا، مگر عالم اسباب میں اس کا سبب فوری سوچنے کا عمل

تھا جس نے اس مشکل سے نکلنے کا ایک راستہ سجھا دیا۔

پھر مختصراً سفر کے بارے میں بتایا کہ عام حالات کے برعکس کس طرح سفر میں زندگی کے گزرنے کا احساس ہوتا ہے۔ چنانچہ اس طرح کے سفروں کو دنیا سے گزر کر آخرت کے سفر اور وہاں کی تیاری کی ایک یاددہانی بنانا چاہیے۔

خورشید ندیم صاحب کے ہاں علمی وفکری نشست

اسلام آباد میں ایک ہفتے کا قیام تھا۔ میرا اصل مقصد تو اپنے نئے ناول ''ادھوری کہانی'' کے ابتدائی مسودے پر کام کرنا تھا۔ مگر ہر روز شام کا وقت کسی نہ کسی ملاقات میں گزرتا تھا۔ پہلی ملاقات تو جناب خورشید احمد ندیم کے ساتھ تھی جنھوں نے اس خاکسار اور احباب کو رات کے کھانے پر مدعو کیا تھا۔ ہمارے ساتھیوں کو چونکہ اگلے دن ہی واپس لوٹنا تھا اس لیے نتھیا گلی سے واپسی پر ہم سیدھا ان کے ہاں چلے گئے۔ ندیم اعظم صاحب اپنے ساتھ ڈاکٹر عرفان شہزاد صاحب کو جو کہ فیس بک کے معروف دانشور ہیں لے کر آئے تھے۔ ڈاکٹر صاحب کے ساتھ پچھلے اگست میں سوات کا اسی نوعیت کا سفر کیا تھا جس میں ندیم اعظم صاحب کے علاوہ مولانا بشر علوی صاحب بھی شریک سفر تھے۔ ڈاکٹر عرفان شہزاد بڑے قابل نوجوان ہیں جنھیں تحریر پر بھی عمدہ عبور حاصل ہے۔ یہی معاملہ مولانا بشر علوی صاحب کا ہے۔ اللہ تعالیٰ ان لوگوں کے علم و عمل میں برکت دے۔

اس نشست میں خورشید احمد ندیم صاحب نے ڈاکٹر حسن الامین کو بھی مدعو کیا تھا۔ مجھے ان سے ملنے کی بڑی خواہش تھی کیونکہ میں ان کے پی ایچ ڈی تھیسز Islamism and post Islamism کی بنا پر ان کا کافی مداح تھا۔

میرے لیے یہ نشست ان تمام اہل علم سے استفادے کی نشست بن گئی۔ خاص کر خورشید

احمد ندیم صاحب کے خیالات سے بہت استفادہ کیا۔ یہ اہل پاکستان کی خوش قسمتی ہے کہ ان کی سطح کا دانشور باقاعدہ کالم بھی لکھتا ہے۔ جس سے اہل دانش کے خیالات اخبارات کے ذریعے سے لوگوں کے سامنے آتے رہتے ہیں۔ میں نے مختلف سوالات کر کے بہت سے ملکی اور بین الاقوامی معاملات پر ان کے خیالات سے استفادہ کیا۔ مثلاً ڈونلڈ ٹرمپ کے انتخابات کے بعد امریکہ میں جاری کشمکش پر انھوں نے تبصرہ کیا کہ یہ سرمایہ دارانہ نظام جو عالمگیریت پسند ہے اور نیشنل ازم جو کہ مقامیت پسند ہوتا ہے، کے درمیان ایک جنگ ہے۔ دوران گفتگو خورشید صاحب نے ایک بڑی دلچسپ بات کہی کہ چائنا اکنامک کوریڈور قرآن مجید میں بیان کردہ یاجوج ماجوج کی یلغار کی ایک ممکنہ عملی تصویر ہو سکتی ہے۔ قارئین کو شاید یہ علم نہیں کہ چائنا صرف پاکستان ہی میں نہیں بلکہ ہر جگہ یہ عظیم شاہراہیں بنا رہا ہے جو زمینی راستے سے ایشیا اور یورپ اور بحری راستے سے افریقہ اور امریکا تک جا رہی ہیں۔

کھانے کے دوران میں ایک دلچسپ موضوع یہ چھڑا کہ مصنوعی زندگی کی تخلیق پر مغرب میں جو کام ہو رہا ہے کہ وہ نئے انسانوں کی تخلیق تک جا پہنچے گا۔ خورشید صاحب نے میری رائے پوچھی تو میں نے عرض کیا کہ ہو سکتا ہے کہ معاملہ یہاں تک جا پہنچے، مگر اللہ تعالیٰ اس کا کوئی عملی نتیجہ نکلنے سے قبل ہی خود انسانیت کی بساط لپیٹ دیں گے۔ اس لیے کہ یہ زمین خدا کی تخلیق انسان کے لیے آباد کی گئی تھی۔ انسان کے بنائے ہوئے انسان کے لیے نہیں۔ خورشید صاحب نے میری رائے سے اتفاق کیا۔

خورشید صاحب نے ایک پر تکلف عشائیہ کا اہتمام کیا تھا جس سے فارغ ہو کر یہ دلچسپ علمی اور فکری نشست اپنے اختتام کو پہنچی۔ اگلے دن ہمارے سارے دوست ایک ایک کر کے رخصت ہو گئے۔

اسلام آباد کا قیام اور مصروفیات

جیسا کہ ذکر ہوا اسلام آباد کی ہر شام کسی نہ کسی ملاقات میں گزری۔ بہت سے مرد و خواتین ملنے کے لیے تشریف لائے۔ محترمہ زاہدہ رفیق صاحبہ ہماری بہت پر جوش والنٹیئر اور بہت صالح خاتون ہیں وہ اپنے شوہر فائز صاحب کے ہمراہ ملاقات کے لیے تشریف لائیں۔ یہ دونوں میاں بیوی میرے ایک بہت اہم کام میں شریک ہیں۔ زاہدہ صاحبہ ''قرآن کا مطلوب انسان'' نامی کتاب کو بنیاد بنا کر پورے قرآن مجید پر کام کر رہی ہیں جبکہ فائز صاحب جو انگریزی کے پروفیسر ہیں وہ میری کتب کا انگریزی ترجمہ کر رہے ہیں۔ عزیز دوست ڈاکٹر بلال فردوس صاحب بھی ملاقات کے لیے آئے۔ وہ پہلے انگلینڈ اور پھر قطر میں تھے اور اپنے بچوں کو پاکستانی تہذیب وثقافت سے متعارف کرانے کے لیے پاکستان شفٹ ہو گئے ہیں۔ یہ ایک بڑی پاکیزہ سوچ ہے۔ عامر عبداللہ صاحب، فرخ صاحب، نوید طارق صاحب جیسے پرانے محبت کرنے والے دوستوں کے علاوہ بہت سے نئے احباب سے سے ملاقاتیں ہوئیں، مگر ان میں خاص طور پر قابل ذکر ملاقات انجینئر محمد علی مرزا صاحب سے ہوئی۔ یہ ملاقات ارسلان بھٹی نے کروائی جو ایک صالح نوجوان ہیں۔ وہ انجینئر صاحب کے ساتھ کافی عرصے سے ہیں اور کچھ عرصے سے اس خاکسار سے بھی نہ صرف متعارف ہیں بلکہ ہمارے آن لائن کام میں بہت کچھ تعاون کرتے رہتے ہیں۔

انجینئر محمد علی مرزا صاحب انٹرنیٹ کی ایک بہت مقبول شخصیت اور صاحب فکر نوجوان ہیں۔ بہت زوردار مقرر ہیں اور بہت سے معاملات پر اپنے جرات مندانہ موقف کی بنا پر جانے جاتے ہیں۔ یہ خاکسار چونکہ ایک ادنیٰ طالب علم ہے اس لیے ہر کسی کو بلاتعصب پڑھتا اور سنتا رہتا ہے اس لیے بہت عرصے سے ان سے واقف ہے جب ان کی عمومی شہرت نہیں تھی۔

ملاقات میں انھوں نے اپنے فکری سفر کا حال بڑی تفصیل سے سنایا۔ میری طرح وہ بھی پس منظر کے لحاظ سے بریلوی ہیں اور پھر حق کی تلاش میں سفر کرتے ہوئے مختلف مقامات سے گزرے ہیں۔ ان کی سب سے بڑی خوبی ان کی طالب علمانہ سوچ تھی۔ حقیقت یہ ہے کہ جو شخص طالب علم نہیں بنتا وہ کبھی حقیقی عالم بھی نہیں بنتا۔ میں نے دیکھا ہے کہ سطحی علم رکھنے والے لوگ اپنے آپ کو بہت بڑی چیز سمجھتے ہیں، مگر انجینئر صاحب میں سادگی کے ساتھ علم کا گہرا ذوق بھی دیکھا۔ امید ہے کہ وہ علم وفکر کے میدان میں بہت ترقی کریں گے۔

اسی نشست میں محترم افتخار تبسم صاحب بھی موجود تھے۔ یہ میری بڑی بدقسمتی ہے کہ اگلے دن ان کو روانہ ہونا تھا اور ان کو ندیم اعظم صاحب نے آج ہی مدعو کر لیا تھا۔ وگرنہ ان کی علمی سطح کا آدمی اس قابل ہے کہ ان کے ساتھ ایک الگ نشست ہوتی اور ان سے استفادہ کیا جاتا۔

مرد وخواتین میں دروس

ملاقاتوں کے علاوہ درس کی دو باقاعدہ نشستیں بھی ہوئیں۔ ایک درس کا اہتمام ندیم اعظم صاحب نے کیا تھا جس میں مرد حضرات شریک ہوئے۔ اس درس میں اسلام آباد اور راولپنڈی کے علاوہ دیگر شہروں سے بھی احباب تشریف لائے تھے۔ اس پروگرام میں تفصیلی سوال جواب کے علاوہ ایک تقریر بھی تھی۔ اس گفتگو میں اس خاکسار نے یہ بیان کیا کہ دنیا میں اللہ تعالیٰ کی ہدایت کا منصوبہ کیا ہے۔ خاص کر اس دور میں اس کام کو انھوں نے کس طرح سہل وآسان کر دیا ہے۔ خاص کر انفارمیشن ایج کے بعد حق کا ابلاغ ہر دور سے زیادہ آسان ہو گیا ہے۔ مسلمانوں کی ایک بہت تھوڑی تعداد بھی اس کو اپنا مسئلہ بنالے تو پوری دنیا میں اسلام کا پیغام انشاء اللہ العزیز پہنچ جائے گا۔ اس کے ساتھ یہ بھی توجہ دلائی کہ مسلمانوں کے درمیان کرنے کا سب سے بڑا کام ان کی اخلاقی تربیت ہے۔

پروگرام کے بعد پرتکلف ظہرانہ تھا جو برادر ندیم اعظم صاحب کی ہمیشہ سے روایت رہی ہے۔ بلکہ ان کے ہاں ہر روز ملنے آنے والوں کے لیے عشائیہ کا اہتمام ہوتا تھا۔

ایک درس خواتین کا تھا جس میں بھابی کی اسٹوڈنٹس شریک ہوئیں جوان سے قرآن مجید پڑھتی ہیں۔ یہ چالیس پچاس خواتین کا اجتماع تھا۔ میں نے دور جدید میں خواتین کے کردار پر توجہ دلائی اور ساتھ میں کچھ تذکیری گفتگو بھی کی۔ اس کے بعد سوالات کا سیشن تھا۔ بچوں کی تربیت سے لے کر وراثت تک ہر پہلو پر بہت عمدہ سوالات کیے گئے۔ یہاں بھی میں نے یہ توجہ دلائی کہ دین کا اصل مقصد اعلیٰ اخلاقی سطح کے انسان پیدا کرنا ہے۔

دور جدید میں یہ ایک بڑا مثبت رجحان پیدا ہوا ہے کہ خواتین میں دینی ذوق بڑھا ہے۔ تاہم اس میں جو کمی مجھے نظر آتی ہے وہ یہ ہے کہ جس طرح مردوں کے دینی رجحان کا مطلب یہ ہے کہ وہ کچھ اعمال کو اختیار کر لیتے ہیں، اسی طرح خواتین کی دین داری کا مطلب ابھی تک یہی نکلا ہے کہ معاشرے مین برقعہ پہنے ہوئی خواتین کی تعداد بڑھ گئی ہے۔ وہ انسان جو اللہ تعالیٰ کو مطلوب ہے، جس کا نقشہ قرآن مجید میں موجود ہے، جس کا کامل نمونہ رسول کریم علیہ الصلوۃ والتسلیم کی ذات والا صفات ہے کم کم ہی نظر آتا ہے۔

اسی مسئلے کو حل کرنے کے لیے اس خاکسار نے اب گویا ایک عملی تحریک شروع کر دی ہے اور اس کا آغاز خواتین ہی سے کیا ہے۔ سر دست ایک وہاٹس اپ گروپ پر سو ڈیڑھ سو خواتین کی تربیت کا اہتمام کیا جا رہا ہے۔ اس تربیتی پروگرام کا مرکزی خیال یہ ہے کہ قرآن مجید میں بیان کردہ مطلوب صفات کو عملی شخصیت کا حصہ بنایا جائے۔ اللہ نے چاہا تو یہ سلسلہ آگے بڑھے گا۔

ہماری تربیت

ہماری قوم کو بنیادی اخلاقی تربیت کی کتنی ضرورت ہے اس کا اندازہ واپسی کے سفر میں ہوا۔

واپسی کا سفر بھی پی آئی اے سے ہوا۔ یہ سفر اس طیارے میں ہوا جسے پی آئی اے نے حال ہی میں ترکی کی Pegasus سے لیز پر لیا ہے۔ جہاز کے عملے میں ایک ائیر ہوسٹس بھی ترکی ہی تھی۔ وہ میرے قریب ہی مسافروں کو چائے دے رہی تھی کہ پیچھے سے کھانے کی ٹرالی چلاتی ہوئی دو پاکستانی ائیر ہوسٹس آئیں اور بے چاری ترکی ائیر ہوسٹس کو ٹکر ماردی جس سے گرم چائے اچھل کر اس کے ہاتھوں پر گر گئی۔ اس کے بعد مجال ہے جو پاکستانی ائیر ہوسٹس نے معذرت کا ایک لفظ بھی اس سے کہا ہو۔ وہ ٹکر مار کے بس ''اوہ'' کر کے رہ گئیں۔

اسلام آباد کا ایک ہفتے کا قیام پلک جھپکتے میں گزر گیا۔ یہاں تک کہ روانگی کا وقت آ گیا۔ ایسے ہی ایک روز ہر انسان کی دنیا میں قیام کی مدت بھی پوری ہو جائے گی۔ موت آ گئی تو معلوم ہوگا کہ زندگی تو پلک جھپکتے میں گزر گئی۔ اس روز انسان کو معلوم ہوگا کہ جو کچھ دنیا کے لیے کمایا وہ دنیا میں رہ گیا۔ ہاں جو کچھ آخرت کے لیے کمایا وہ ابد تک کے لیے باقی رہ گیا۔ مگر زیادہ اہم سوال یہ ہے کہ وہاں کے لیے کیا کمایا۔ اگر حقیقی نیکی کمائی۔ خدا کو زندگی کا سب سے بڑا مسئلہ بنایا۔ رسول کریم کے اخلاق عالیہ کو اختیار کیا۔ زندگی کی ناہمواری پر صبر کیا۔ تو جو کچھ ابد تک ملے گا وہ انسان کو سرشار کر دے گا۔

لیکن اگر گناہ کمایا۔ خدا کو بھول کر جیے۔ انسانوں کے ساتھ برا معاملہ کیا۔ ظلم کیا۔ خیانت کی۔ ناانصافی کی۔ لوگوں کی جان، مال اور آبرو کو نقصان پہنچایا تو جو کچھ ابد تک ملے گا وہ انسان کو ہمیشہ دکھی اور مایوس رکھے گا۔ اللہ کریم ہم سب کو اس برے انجام سے بچا کر بھلے انجام تک پہنچا دے۔ آمین۔

جاوید چوہدری

برداشت

فیلڈ مارشل صدر ایوب خان پاکستان کے پہلے ملٹری ڈکٹیٹر تھے وہ روزانہ سگریٹ کے دو بڑے پیکٹ پیتے تھے روز صبح ان کا بٹلر سگریٹ کے دو پیکٹ ٹرے میں رکھ کر ان کے بیڈ روم میں آ جاتا تھا اور صدر ایوب سگریٹ سلگا کر اپنی صبح کا آغاز کرتے تھے وہ ایک دن مشرقی پاکستان کے دورے پر تھے وہاں ان کا بنگالی بٹلر انہیں سگریٹ دینا بھول گیا جنرل ایوب خان کو شدید غصہ آیا اور انہوں نے بٹلر کو گالیاں دینا شروع کر دیں۔ جب ایوب خان گالیاں دے دے کر تھک گئے تو بٹلر نے انہیں مخاطب کر کے کہا جس کمانڈر میں اتنی برداشت نہ ہو وہ فوج کو کیا چلائے گا مجھے پاکستانی فوج اور اس ملک کا مستقبل خراب دکھائی دے رہا ہے۔ بٹلر کی بات ایوب خان کے دل پر لگی انہوں نے اسی وقت سگریٹ ترک کر دیا اور پھر باقی زندگی سگریٹ کو ہاتھ نہ لگایا۔ آپ نے رستم زماں گاما پہلوان کا نام سنا ہو گا۔ ہندوستان نے آج تک اس جیسا دوسرا پہلوان پیدا نہیں کیا ایک بار ایک کمزور سے دکاندار نے گاما پہلوان کے سر میں وزن کرنے والا باٹ مار دیا۔ گامے کے سر سے خون کے فوارے پھوٹ پڑے گامے نے سر پر مفلر لپیٹا اور چپ چاپ گھر لوٹ گیا۔ لوگوں نے کہا پہلوان صاحب آپ سے اتنی کمزوری کی توقع نہیں تھی آپ دکاندار کو ایک تھپڑ مار دیتے تو اس کی جان نکل جاتی۔ گامے نے جواب دیا مجھے میری طاقت نے پہلوان نہیں بنایا میری برداشت نے پہلوان بنایا ہے اور میں اس وقت تک رستم زماں رہوں گا جب تک میری قوت برداشت میرا ساتھ دے گی۔ قوت برداشت میں چین کے بانی چیئرمین ماؤزے تنگ اپنے دور کے تمام لیڈرز سے آگے تھے وہ 75 سال کی عمر میں سردیوں کی رات میں دریائے شنگھائی میں سوئمنگ کرتے تھے اور اس وقت پانی کا درجہ حرارت منفی دس ہوتا تھا۔ ماؤ انگریزی

زبان کے ماہر تھے لیکن انہوں نے پوری زندگی انگریزی کا ایک لفظ نہیں بولا۔آپ ان کی قوت برداشت کا اندازا لگائیے کہ انہیں انگریزی میں لطیفہ سنایا جاتا تھا وہ لطیفہ سمجھ جاتے تھے لیکن خاموش رہتے تھے لیکن بعدازاں جب مترجم اس لطیفے کا ترجمہ کرتا تھا تو وہ دل کھول کر ہنستے تھے۔ قوت برداشت کا ایک واقعہ ہندوستان کے پہلے مغل بادشاہ ظہیرالدین بابر بھی سنایا کرتے تھے۔ وہ کہتے تھے انہوں نے زندگی میں صرف ڈھائی کامیابیاں حاصل کی ہیں۔ان کی پہلی کامیابی ایک اژدھے کے ساتھ لڑائی تھی ایک جنگل میں بیس فٹ کے ایک اژدھے نے انہیں جکڑ لیا اور بابر کو اپنی جان بچانے کیلئے اس کے ساتھ بارہ گھنٹے اکیلے لڑنا پڑا۔ان کی دوسری کامیابی خارش تھی۔انہیں ایک بار خارش کا مرض لاحق ہوگیا خارش اس قدر شدید تھی کہ وہ جسم پر کوئی کپڑا انہیں پہن سکتے تھے۔بابر کی اس بیماری کی خبر پھیلی تو ان کا دشمن شبانی خان ان کی عیادت کیلئے آ گیا۔یہ بابر کیلئے ڈوب مرنے کا مقام تھا کہ وہ بیماری کی حالت میں اپنے دشمن کے سامنے جائے۔بابر نے فوراً پورا شاہی لباس پہنا اور بن ٹھن کر شبانی خان کے سامنے بیٹھ گیا وہ آدھا دن شبانی خان کے سامنے بیٹھے رہے پورے جسم پر شدید خارش ہوئی لیکن بابر نے خارش نہیں کی۔بابر ان دونوں واقعات کو اپنی دو بڑی کامیابیاں قرار دیتا تھا اور آدھی دنیا کی فتح کو اپنی آدھی کامیابی کہتا تھا۔دنیا میں لیڈرز ہوں سیاستدان ہوں حکمران ہوں چیف ایگزیکٹو ہوں یا عام انسان ہوں ان کا اصل حسن ان کی قوت برداشت ہوتی ہے۔دنیا میں کوئی شارٹ ٹمپرڈ کوئی غصیلہ اور کوئی جلد باز شخص ترقی نہیں کرسکتا۔دنیا میں معاشرے قومیں اور ملک بھی صرف وہی آگے بڑھتے ہیں جن میں قوت برداشت ہوتی ہے۔جن میں دوسرے انسان کی رائے، خیال اور اختلاف کو برداشت کیا جاتا ہے لیکن بدقسمتی سے ہمارے ملک اور ہمارے معاشرے میں قوت برداشت میں کمی آتی جا رہی ہے۔ہم میں سے ہر شخص ہر وقت کسی نہ کسی شخص سے لڑنے کیلئے تیار بیٹھا ہے۔شاید قوت

برداشت ہی کی یہ کمی ہے جس کی وجہ سے پاکستان میں دنیا میں سب سے زیادہ قتل اور سب سے زیادہ حادثے ہوتے ہیں لیکن یہاں پر سوال پیدا ہوتا ہے کہ کیا ہم اپنے اندر برداشت پیدا کر سکتے ہیں؟ اس کا جواب ہاں ہے اور اس کا حل رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی حیات طیبہ میں ہے۔ ایک بار ایک صحابیؓ نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے عرض کیا یا رسول اللہ آپ مجھے زندگی کو پر سکون اور خوبصورت بنانے کا کوئی ایک فارمولہ بتا دیجئے آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا غصہ نہ کیا کرو۔ غصہ دنیا کے 90 فیصد مسائل کی ماں ہے اور اگر انسان صرف غصے پر قابو پا لے تو اس کی زندگی کے 90 فیصد مسائل ختم ہو سکتے ہیں۔ برداشت دنیا کی سب سے بڑی اینٹی بائیوٹک اور دنیا کا سب سے بڑا ملٹی وٹامن ہے۔ آپ اپنے اندر صرف برداشت کی قوت پیدا کر لیں تو آپ کو ایمان کے سوا کسی دوسری طاقت کی ضرورت نہیں رہتی کیونکہ انسان اکثر اوقات ایک گالی برداشت کر کے سینکڑوں ہزاروں گالیوں سے بچ سکتا ہے اور ایک بری نظر کو اگنور کر کے دنیا بھر کی غلیظ نظروں سے محفوظ ہو جاتا ہے۔ آج کے بعد آپ کو جب بھی غصہ آئے تو فوراً اپنے ذہن میں اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کے یہ الفاظ لے آئیے۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا تھا غصہ نہ کیا کرو مجھے یقین ہے اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کے یہ الفاظ آپ کی قوت برداشت میں اضافہ فرما دیں گے۔

[بشکریہ: روزنامہ ایکسپریس]

سوال وجواب

ابو یحییٰ

کیا سالگرہ منانا بدعت ہے؟

سوال:

اسلام میں سالگرہ منانے کی کیا حیثیت ہے۔ کیا یہ جائز ہے؟ ایک نقطہ نظر یہ ہے کہ سالگرہ منانا دین میں اضافے اور بدعت کے زمرہ میں آتا ہے۔ جس کا شریعت مطہرہ میں کوئی ثبوت نہیں ملتا۔ لہٰذا سالگرہ کی دعوت قبول کرنا بھی جائز نہیں کیونکہ یہ ایک بدعت کو سپورٹ کرنے اور اس کی حوصلہ افزائی کرنے کے ضمن میں آتا ہے۔ نیز سالگرہ منانا بدعت اور شریعت میں بے بنیاد ہونے کے علاہ یہود و نصاریٰ کی مشابہت کے زمرہ میں بھی آتا ہے۔ جیسا کہ ایک حدیث میں ہے کہ جس نے جن کی مشابہت اختیار کی وہ انہیں میں سے ہے۔ حمزہ

جواب:

محترمی ومکرمی حمزہ صاحب

سالگرہ کو لوگ مذہبی رسم کے طور پر نہیں منایا کرتے۔ اس لیے اسے بدعت قرار دینا کسی طور سے بھی درست نہیں ہے۔ بدعت کا سوال تب ہی پیدا ہوتا ہے کہ جب لوگ کسی نئی چیز کو مذہبی حیثیت میں منائیں، اس پر ثواب کے امیدوار ہوں اور اس کو دین قرار دیں۔ جبکہ اس حوالے سے اللہ اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف سے کوئی ہدایت نہ ہو۔ آپ نے جن آیات اور احادیث کو نقل کیا ہے، وہ اس بدعت اور دین سازی کو موضوع بناتی ہیں نہ کہ کسی مباح چیز کو۔

جہاں تک یہود و نصاریٰ کی نقل کا تعلق ہے تو اس طرح کی چیزوں کو بھی مذہبی پیرائے میں دیکھنا چاہیے۔ یہی رسول کریم کی اس ہدایت کا مطلب تھا۔ آپ نے ہمیں ان کی طرح فرقہ

واریت، ظاہر پرستی، قوم پرستی، بدعت، شرک اور دیگر گمراہیوں سے متنبہ کیا تھا۔ تمدنی اور سماجی معاملات کا اس سے تعلق نہیں تھا۔ ورنہ جہاز اور گاڑی کے استعمال سے لے کر سارا جدید تمدن جس سے ہم دن رات فائدہ اٹھاتے ہیں ان ہی کا پیدا کردہ ہے۔ آپ کا مجھے ای میل کرنا، انٹرنیٹ استعمال کرنا، سیمنٹ سے گھروں کو تعمیر کرنا وغیرہ سب کام یہود و نصاریٰ کی نقل قرار پائیں گے۔ اس لیے دینی ہدایات کو ان کے صحیح پیرائے میں سمجھنا ضروری ہے، ورنہ معاشرے میں انتہا پسندی اور دہشت گردی اور دوسروں کی تکفیر کے سوا کوئی اور رویہ نہیں بڑھے گا۔

ابو یحییٰ

مسلمانوں پر ہونے والے مظالم

سوال:

اسلام علیکم

محترم ابو یحییٰ صاحب میرا نام بابر علی ہے اور میں برطانیہ میں رہتا ہوں میانمار میں جو ظلم ہو رہا ہے اس کی وڈیو دیکھ کر مجھ سے کسی نے سوال کیا ہے کہ چھوٹے بچوں کا کیا قصور ہے ان پر ظلم کرنے والوں کو اللہ تعالیٰ کیوں ڈھیل دے رہے ہیں۔ جواب کا انتظار رہے گا۔ شکریہ

جواب:

السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ

محترمی ومکرمی

اس طرح کے واقعات میں انفرادی طور پر جو لوگ ظلم و ستم سے گزرتے ہیں، ان کے متعلق ہم اللہ تعالیٰ سے امید رکھتے ہیں کہ اس کا بدلہ ان کو روز قیامت دیا جائے گا۔ وہ اللہ سے اس کی

رحمت کے امیدوار ہوں گے۔تاہم اجتماعی طور پر اس طرح کے معاملات کو دیکھنے کا ایک دوسرا زاویہ قرآن مجید بنی اسرائیل کے حوالے سے دیتا ہے جس میں یہ بتایا جاتا ہے کہ جب جب بنی اسرائیل نے خدا سے بے وفائی کی ان پر خدا کے قہر کا کوڑا برس پڑا۔وہ دنیا میں مغلوب اور بدحال ہو گئے۔

میں نے اپنی کتاب ''آخری جنگ'' میں اس پر اور مسلمانوں پر اس قانون کے اطلاق پر تفصیل سے گفتگو کی ہے۔اس کا خلاصہ یہ ہے کہ ختم نبوت کے بعد مسلمان مجموعی طور پر دعوت حق کے امین بنائے گئے ہیں۔جب وہ دعوت کا یہ کام نہیں کریں گے اور اپنے عمل سے ایمان واخلاق کی گواہی دینے کے بجائے بدعملی اور گمراہی کا نمونہ بن جائیں گے تو ان پر ذلت اور مغلوبیت مسلط کر دی جائے گی۔ظاہر ہے کہ جب یہ ہوگا تو پھر اس کے کچھ نتائج نکلیں گے۔یہ نتائج یہود پر بخت نصر اور ٹائٹس رومی کے ہاتھوں نکلے اور مسلمانوں پر پہلے تاتاریوں کے ہاتھوں اور اب دیگر غیر مسلم اقوام کے ہاتھوں نکل رہے ہیں۔اس کے نتیجے کے طور پر مسلمان مارے بھی جا رہے ہیں، بے گھر بھی ہیں، اور ذلت اور مغلوبیت کا بھی شکار ہیں۔

مسلمان جب تک ایمان اور عمل صالح کی دعوت کو خود اختیار کر کے دنیا کو اس کی طرف نہیں بلاتے، انھیں حالات میں تبدیلی کی کوئی امید نہیں رکھنا چاہیے۔ہمیں اللہ سے کوئی شکایت کرنے کے بجائے اپنی اصلاح کرنا چاہیے۔بدقسمتی سے مسلمان دوسو برس سے اس کام کے لیے تیار نہیں ہیں۔اسی لیے مسلمانوں کے حالات بھی نہیں بدل رہے۔

والسلام

ابویحییٰ

ابو یحییٰ

مضامین قرآن (38)

دعوت کا ابلاغ: فرشتے

قرآن مجید میں فرشتوں کے بیان اور ان پر ایمان کا پس منظر

دعوت خدا کا پیغام اس کے بندوں تک پہنچانے کا عمل ہے۔ یہ کام جب براہ راست اللہ تعالیٰ کی طرف سے کیا جاتا ہے تو اس کے ایک سرے پر انبیا رسل کھڑے ہوتے ہیں جو پیغام الٰہی کو اللہ کے بندوں تک بے کم و کاست پہنچاتے ہیں۔ اس آسمانی وحی کے دوسرے سرے پر فرشتے ہوتے ہیں جو اللہ کے پیغام کو اس سے حاصل کرتے ہیں اور پورے اہتمام اور حفاظت کے ساتھ حضرات انبیاء تک پہنچاتے ہیں۔ قرآن مجید ان بلند مرتبت ہستیوں کو ملائکہ کا نام دیتا ہے۔ اس لفظ کا معنی ہی پیغام پہنچانے والے ہوتا ہے۔ یہی فرشتوں کا وہ منصب اور کام ہے جس کی بنا پر ان پر ایمان کو ایمانیات کی فہرست میں شامل کیا گیا ہے۔ کیونکہ فرشتوں کے پیغام الٰہی لانے کی بنا پر ہی نبی خدا کے نبی بنتے اور کتابیں الہامی کتابیں قرار پاتی ہیں۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم پر جب کفار نے یہ بہتان تراشا کہ یہ کلام آپ نے خود گھڑ لیا ہے یا یہ کسی جن یا شیطان کا الہام ہے تو قرآن مجید نے بار بار اس بات کو واضح کیا کہ یہ کلام خدا کے مقرب ترین فرشتے روح الامین جبریل علیہ السلام کا لایا ہوا کلام ہے جو آپ کے قلب اطہر پر نازل ہوا ہے۔ قرآن مجید نے نہ صرف اس کلام کی درست نسبت کو واضح کیا بلکہ یہ بھی بتا دیا کہ جبریل امین جس درجہ کی طاقتور ہستی ہیں، اس کی بنا پر کسی شیطان کے لیے یہ ممکن ہی نہیں کہ اس کلام میں کسی قسم کی آمیزش کر سکے۔

قرآن مجید میں فرشتوں کے بیان کی دوسری بنیادی وجہ مشرکین کی اس غلط فہمی کا ازالہ تھا کہ خداوند ذوالجلال کی خدائی میں ان کا کوئی حصہ ہوسکتا ہے۔ مشرکین کا یہ عقیدہ تھا کہ فرشتے خدا کی بیٹیاں ہیں، وہ اس کے حضور انسانوں کے سفارشی ہیں اور انھی بنیادوں پر خدائی اور بندگی میں ان کا بھی کوئی حصہ ہے۔ قرآن مجید نے اس بات کو بالکل کھول کر واضح کیا ہے کہ وہ تو بس خدا کی مخلوق ہیں جو مکمل طور پر خدا کے فرمانبردار، اسی کی حمد، تسبیح اور تعریف کرنے والے، اس کے خوف سے لرزاں و ترساں رہنے والے، اسی کا حکم بجالانے والے ہیں۔ بے شک وہ مقرب ہیں۔ صاحب عزت و مرتبہ ہیں، لیکن صرف اسی کے وفادار ہیں۔ ان پر ایمان لانا ہے تو خدا کی مخلوق اور اس کے بندوں کے طور پر لاؤ نہ کہ خدا کی خدائی میں ان کا حصہ مانتے جبین نیاز ان کے سامنے خم کرو۔ یہ کروگے تو شرک کا ارتکاب کروگے۔

فرشتے بطور خدائی بیوروکریسی

یہی وہ پس منظر ہے جس میں قرآن مجید نے فرشتوں کو متعارف کرایا ہے۔ تاہم فرشتے چونکہ خدا کی اسکیم میں عملاً وہی حیثیت رکھتے ہیں جو کسی ملک کا انتظام چلانے میں اس کی بیوروکریسی کا ہوتا ہے، چنانچہ اس پس منظر میں اللہ تعالیٰ نے فرشتوں کی دیگر خصوصیات کو بھی بیان کیا ہے۔ مثلاً یہ کہ یہ فرشتے ہی ہیں جو خدا کے ہر فیصلے کو لے کر مخلوق پر نافذ کرتے ہیں اور پھر اس کے حضور پیش ہو کر اپنی کارگزاری بیان کرتے ہیں۔ عرش الٰہی جو احکام الٰہی کا اجرا اور خالق کے مخلوق سے رابطے کا استعارہ ہے، اس کو بھی فرشتے ہی اٹھائے ہوئے ہیں اور قیامت کے دن بھی وہی اٹھائے ہوئے ہوں گے۔ اس دنیا میں بذریعہ ملائکہ خدائی فیصلوں کے نفاذ کی جو بعض مثالیں قرآن مجید میں بیان کی گئی ہیں ان میں وحی کے نزول کے علاوہ، بشارت و عذاب، انسانوں کے قول و فعل کی نگرانی اور ان کے نامہ اعمال کی تالیف، موت اور روح کا قبض کرنا وغیرہ شامل ہیں۔ آنے والی

دنیا میں اہل جہنم کو عذاب دینا اور اہل جنت پر سلامتی کا پیغام پہنچانا بھی ان کے کاموں کے طور پر بیان ہوا ہے۔

قرآن مجید نے یہ بھی واضح کیا ہے کہ وہ صاحب شعور اور صاحب ارادہ ہستیاں ہیں۔ وہ خدا سے مکالمہ کرتے، اہل ایمان اور اہل دنیا کے لیے دعا کرتے، ان کی نصرت اور بشارت کے لیے زمین پر اترتے، خدا سے ڈرتے اور لرزاں رہتے اور اپنی مرضی و ارادے سے خدا کے سامنے سراپا اطاعت بنے رہتے ہیں۔

قرآنی بیانات

''اور یہ کہتے ہیں کہ خدائے رحمان کے اولاد ہے، وہ ان باتوں سے ارفع ہے، بلکہ وہ خدا کے مقرب بندے ہیں۔ وہ اس کے آگے بات میں پہل نہیں کرتے، وہ بس اس کے حکم ہی کی تعمیل کرتے ہیں۔ وہ ان کے آگے اور ان کے پیچھے جو کچھ ہے سب سے باخبر ہے۔ اور وہ شفاعت نہیں کریں گے مگر صرف اس کے لیے جس کے لیے اللہ پسند فرمائے۔ اور وہ اس کی خشیت سے لرزاں رہتے ہیں اور ان میں سے جو بھی مدعی بنے گا کہ اس کے سوا میں الٰہ ہوں تو ہم اس کو جہنم کی سزا دیں گے۔ ہم ظالموں کو اسی طرح سزا دیں گے۔''

(انبیا21:29-26)

''وہ فرشتوں کو اپنے امر کی روح کے ساتھ اتارتا ہے اپنے بندوں میں سے جن پر چاہتا ہے کہ لوگوں کو آگاہ کر دو کہ میرے سوا کوئی معبود نہیں تو مجھ ہی سے ڈرو۔'' (النحل16:2)

''یہ ایک باعزت رسول کا لایا ہوا کلام ہے۔ وہ بڑی ہی قوت والا اور عرش والے کے نزدیک بڑا ہی بارسوخ ہے، اس کی بات مانی جاتی ہے اور وہ نہایت امین بھی ہے۔''

(التکویر81:21-19)

''ہرگز نہیں، یہ تو ایک یاد دہانی ہے تو جو چاہے یاد دہانی حاصل کرے۔ لائق تعظیم، بلند اور پاکیزہ صحیفوں میں، معزز باوفا کاتبوں کے ہاتھوں میں۔'' (عبس80:16-11)

''اور بجلی کی گرج اس کی حمد کے ساتھ تسبیح کرتی ہے اور فرشتے بھی اس کے ڈر سے اس کی تسبیح

کرتے ہیں اور وہ بھیجتا ہے بجلی کے کڑکے اور ان کو نازل کر دیتا ہے جن پر چاہتا ہے اور وہ خدا کے باب میں جھگڑتے ہی ہوتے ہیں اور وہ بڑی ہی زبردست قوت والا ہے۔''

(رعد13:13)

''شکر کا سزاوار حقیقی اللہ ہے۔ آسمانوں اور زمین کا خالق، فرشتوں کو دو دو، تین تین اور چار چار پروں والے پیغام رساں بنانے والا۔ وہ خلق میں جو چاہے اضافہ کر دیتا ہے۔ بے شک اللہ ہر چیز پر قادر ہے۔'' (فاطر1:35)

''اور آسمانوں میں کتنے فرشتے ہیں جن کی سفارش ذرا بھی کام آنے والی نہیں مگر بعد اس کے کہ اللہ اجازت دے جس کو چاہے اور جس کے لیے پسند کرے۔ جو لوگ آخرت پر ایمان نہیں رکھتے انہی نے فرشتوں کے نام عورتوں کے نام پر رکھ چھوڑے ہیں۔ حالانکہ اس باب میں ان کو کوئی علم نہیں۔ وہ محض گمان کی پیروی کر رہے ہیں اور گمان کسی درجے میں بھی حق کا بدل نہیں۔'' (النجم26-28:53)

''خدا کے ساتھ وفاداری محض یہ نہیں ہے کہ تم مشرق اور مغرب کی طرف رخ کرلو بلکہ وفاداری ان کی وفاداری ہے جو اللہ پر، یوم آخرت پر، فرشتوں پر، کتاب پر اور نبیوں پر صدق دل سے ایمان لائیں۔'' (البقرہ177:2)

''اور یاد کرو کہ جب کہ تم اپنے رب سے فریاد کر رہے تھے تو اس نے تمہاری فریاد سنی کہ میں ایک ہزار فرشتے تمہاری کمک کو بھیجنے والا ہوں جو ایک دوسرے کے پیچھے آتے جائیں گے ...... یاد کرو جب تمہارا رب فرشتوں کو وحی کرتا ہے کہ میں تمہارے ساتھ ہوں تو تم ایمان والوں کو جمائے رکھو۔ میں کافروں کے دلوں میں رعب ڈال دوں گا تو مارو ان کی گردنوں پر اور مارو ان کے پور پور پر۔''، (الانفال9-14:8)

''جو چالیں تم چل رہے ہو ہمارے فرستادے ان کو نوٹ کر رہے ہیں۔'' (یونس21:10)

''ہرگز نہیں، بلکہ تم جزا کو جھٹلاتے ہو۔ حالانکہ تم پر نگران مامور ہیں، عالی قدر (تمھارے اعمال واقوال) لکھنے والے۔ وہ جانتے ہیں جو تم کرتے ہو۔'' (الانفطار82: 12-9)

''اس میں فرشتے اور روح اترتے ہیں، ہر امر میں، اپنے رب کی اجازت کے ساتھ۔''

(القدر4:97)

''اس کی طرف فرشتے اور جبریل صعود کرتے ہیں ایک ایسے دن میں جس کی مقدار پچاس ہزار سال کے برابر ہے۔'' (معارج 4:70)

''اس کو ایک مضبوط قوتوں والے، عقل و کردار کے توانا نے تعلیم دی ہے۔ وہ نمودار ہوا، اور وہ افق اعلیٰ میں تھا، پھر قریب ہو گیا اور جھک پڑا، بس دو کمانوں کے بقدر یا اس سے بھی کم فاصلہ رہ گیا۔ پس اللہ نے وحی کی اپنے بندے کی طرف جو وحی کی۔'' (النجم 53:10-5)

''اور ابراہیم کے پاس ہمارے فرستادے خوشخبری لے کر آئے۔...... وہ بولے کہ تم کوئی اندیشہ نہ کرو، ہم تو قوم لوط کی طرف بھیجے گئے ہیں۔ ''(ہود 11:70-69)

''کہہ دو کہ تمہاری جان وہ فرشتہ ہی قبض کرتا ہے جو تم پر مامور ہے پھر تم اپنے رب ہی کی طرف لوٹائے جاؤ گے۔'' (السجدہ 11:32)

''جو عرش کو اٹھائے ہوئے اور جو اس کے اردگرد ہیں وہ اپنے رب کی تسبیح کرتے رہتے ہیں، اس کی حمد کے ساتھ، اور اس پر ایمان رکھتے ہیں اور ان لوگوں کے لیے استغفار کرتے رہتے ہیں جو ایمان لائے ہیں۔ اے ہمارے رب، تیری رحمت اور تیرا علم ہر چیز کا احاطہ کیے ہوئے ہے تو ان لوگوں کی مغفرت فرما جو توبہ کریں اور تیرے راستہ کی پیروی کریں اور ان کو عذابِ جہنم سے بچا۔'' (المومن 7:40)

''اور فرشتے اس کے کناروں پر ہوں گے اور تیرے رب کے عرش کو اس دن آٹھ فرشتے اپنے اوپر اٹھائے ہوں گے۔'' (الحاقہ 17:69)

''بے شک ان لوگوں پر جنھوں نے کہا کہ ہمارا رب اللہ ہے پھر اس پر ثابت قدم رہے، فرشتے اتریں گے کہ اب نہ کوئی اندیشہ کرو اور نہ کوئی غم اور اس جنت کی خوشخبری قبول کرو جس کا تم سے وعدہ کیا جاتا تھا۔ ہم دنیا کی زندگی میں بھی تمہارے ساتھی رہے اور آخرت کی زندگی میں بھی تمہارے ساتھی ہیں۔'' (حم السجدہ 41:30-31)

''اے ایمان والو! اپنے آپ کو اور اپنے اہل و عیال کو اس آگ سے بچاؤ جس کے ایندھن آدمی اور پتھر ہوں گے۔ جس پر درشت مزاج اور سخت گیر ملائکہ مامور ہوں گے۔ اللہ ان کو جو حکم دے گا اس کی تعمیل میں وہ اس کی نافرمانی نہیں کریں گے اور وہ وہی کریں گے جس کا ان کو حکم ملے گا۔'' (التحریم 6:66)

فرح رضوان

بات گو ذرا سی ہے، بات عمر بھر کی ہے

(گزشتہ سے پیوستہ Part II)

ہمارے معاشرے کی بہتری کے لیے، قاری صاحب، استانی جی، اور کم آمدنی والے علاقوں میں ٹیوشن کے شعبے سے تعلق رکھنے والے، خواتین وحضرات بہت بہت اہمیت کے حامل ہیں ،لیکن افسوس کی بات ہے کہ، یہ ایک حصار میں قید ہیں، اس حصار کو حکمت اور اخلاق کے ساتھ ہم سب کو ہی توڑنا ہوگا، کہ ان کو جدید طریقوں، بہتر رویوں اور صبر و برداشت کے ساتھ بچوں کو پڑھانے پر آمادہ کریں تاکہ شاگرد وقت گزاری نہ کرے بلکہ استاد سے بخوشی علم حاصل کرے۔

اسی لیے بچوں کی تربیت کے ضمن میں والدین پر جہاں محنت وحکمت کی ذمہ داری آتی ہے وہیں ،ان کے آمدنی کے حلال ذرائع ہونا بھی از حد اہمیت کا حامل ہے، معاش بھی حلال، معاشرتی رشتے، رویئے، رہائش، رجحانات سبھی کچھ حلال، ورنہ والدین کی ناک کے نیچے حادثات پنپ رہے ہوتے ہیں، اورانہیں خبر تک نہیں ہو پاتی۔آسان حل یہی ہے کہ آپ معیار زندگی بلند کرنے کی بے مقصد دوڑ سے باہر نکل آئیں۔انشاءاللہ اولاد نیکی کی طرف خود ہی گامزن ہوگی۔

والدین کے لیے ضروری ہے کہ زیادہ زور اولاد کی اور اپنی کردار سازی پر خرچ کریں۔اگر جیب اجازت دیتی ہے تو اسی ضمن میں کچھ مال بھی ضرور خرچ کریں۔اور صرف اپنے بچے پر ہی تمام توانائیاں اور حکمت خرچ نہ کریں، بلکہ دوسرے بچوں پر بھی شفقت کا معاملہ فرمائیں، کیونکہ جس طرح ہمارے بچے دوسرے بچے سے نزلے، بخار کا وائرس لیے چلے آتے ہیں اسی طرح ،بہت سی معاشرتی خرابیاں بھی متعدی ہوتی ہیں۔اور جیسے کسی غریب کا علاج، کروانا بھی نیکی ہے

،اسی طرح، بیمار ہوتی کمیونٹی کے بچوں پر کچھ وقت محنت اور مال لگانا بھی بہت بڑی نیکی ہے۔

اس ضمن میں انفاق فی سبیل اللہ کے کئی طریقے ہو سکتے ہیں۔شروع اپنے ہی گھر سے کریں، اگر بچے کا سکائپ پر ہی پڑھنا ممکن ہو تو ،صرف چند ڈالر یا پاؤنڈز دے کر کسی کم علم ،کم فہم بندے سے اپنے بچے کو قرآن پڑھوانے کے بجائے مستند سلجھے ہوئے افراد کا اہتمام کریں ،تا کہ ان کی دانش بچوں میں منتقل ہو۔اور قرآن صرف رٹ لینے پر ہرگز اکتفا نہ کریں، بلکہ ہر عمر کے لحاظ سے اس کی سمجھ کو بھی یقینی بنائیں۔اساتذہ بھی اسے ایک خشک سبجیکٹ نہ بنا ڈالیں بلکہ جس حد تک ہو، بچے کو دین پڑھانے کا ہلکا پھلکا طریقہ اپنائیں غیر ملکی بچوں کو تو کئی دن تک یہی بات سمجھ نہیں آتی کہ عربی کے حروف شروع ،درمیان اور آخر میں اپنی شکلیں بدلتے ہیں۔اس پر بھی ،اساتذہ کو، بہت محنت ،محبت اور صبر سے توجہ دینے کی ضرورت ہوتی ہے۔ جیسے پیپر پر پورا حرف لکھ کر ،آدھا قینچی سے کاٹ کر، بورڈ یا کاپی پر پورا لکھ کر اور آدھا مٹا کر ،جمع تفریق کے سوالات کی طرح حروف کو جوڑ کر اور توڑ کر، کرس کراس وغیرہ کی مشق ،غرض ہر لحاظ سے از بر کروانے کی ضرورت ہوتی ہے۔

بہتر ہوگا کہ بچے کو کلر کوڈڈ قرآن ٹیکسٹ کا اسیر نہ بنایا جائے بلکہ سبق کے دوران بار بار تجوید کے قوائد یا تو بچے سے پوچھ لیا کریں یا اسے بتاتے رہا کریں، بچے کا شروع سے اپنا قرآن ہو،ایکٹیوٹی اور یاددہانی کے لئے اس کے آخری خالی صفحات پر چھوٹے رنگ برنگے سٹکی نوٹس پر تجوید کے الگ الگ قواعد لکھ کر چپکا دیں، جہاں بچہ بھولے، ڈکشنری کی طرح اسے خود سے دیکھنا آجائے کہ معاملہ کیا ہے، گرج برس کی نوبت ہی نہ آئے۔ بیشک بچے نے ابھی اٹک کر چار لفظ جوڑ کر پڑھنا شروع کیا ہو لیکن اہم آیات کے آتے ہی ان کو انڈر لائن یا ہائیلائٹ کروا کر ان کے معنی سمجھائیں، دعا بھی کریں اور امید رکھیں کہ ان شا اللہ تاحیات اس کے دل پر یہ نصیحتیں نقش

رہیں گی۔

بچہ پوری توجہ سے سبق پڑھ لے تو پختہ کروانے کے لیے اپنا خون نہ جلائیں بلکہ کسی بھی اچھی قرآن ویب سائٹ پر اچھے قاری کی آواز کے ساتھ، سبق کی دہرائی کروائیں، اس طرح کہ بچے کی نگاہ اپنے قرآن پر ہو، اور سماعت قاری کی آواز و انداز پر، اللہ کی رحمت سے امید ہے کہ اس طرح جلد ہی بچے میں عمدہ لہن کا ذوق بھی پروان چڑھے گا۔ (حفظ کے لیے بھی یہ طریقہ، بہت کارگر ہے) اور www.tanzil.net اس سلسلے میں بہت زیادہ معاون ہے۔

استانی جی یا قاری صاحبان بنفس نفیس دستیاب ہوں تو ان کو اعتماد میں لے کر انہی کے ذریعے، بچے کے کبھی کوئی سورہ یاد کرنے پر، یا اچھے رویے یا نماز کی پابندی پر انعام دلوا دینے سے بچوں میں اپنے استاد سے انسیت بڑھ سکتی ہے، اس طرح ان شا اللہ ان کی ہر روز آمد پر، رونے دھونے ضد کرنے کے بجائے، کچھ عرصے میں بچہ خود ان کا خیر مقدم کرنے لگے گا۔

رشک کا مقام ہے کہ قرآن میں پیرنٹنگ کی نمایاں ترکیب، ترتیب اور ترغیب، ایک عام صالح انسان لقمان علیہ السلام کے واقعے کو بیان فرما کر دی گئی ہے، یعنی والدین بھی اتنی مشقت کر کے بے فکر رہیں کہ اللہ تعالی بے حد قدردان ہیں۔ البتہ یہ مسلمہ اصول ہے کہ

لَقَدْ خَلَقْنَا الْإِنسَانَ فِي كَبَدٍ ۔

ترجمہ: بے شک ہم نے انسان کو مشقت میں (مبتلا رہنے والا) پیدا کیا ہے۔

مبشر نذیر

ترکی کا سفرنامہ(42)

ارارات کا پہلا نظارہ

کوہ ارارات یا آرارات ترکی کا سب سے اونچا مقام ہے۔اس کی بلندی 16000 فٹ سے زائد ہے۔اس پہاڑ کا منظر نہایت ہی دلفریب تھا۔بہتر ہوگا کہ میں اسے اپنے الفاظ میں بیان کرنے کی بجائے مستنصر حسین تارڑ صاحب کے الفاظ میں بیان کروں کیونکہ ان کا طرز بیان بہت دلنشیں ہے۔انہوں نے 1960ء کے زمانے میں پاکستان سے برطانیہ خشکی کے راستے سے سفر کیا تھا جس کی تفصیلات انہوں نے اپنے سفرنامے "نکلے تیری تلاش میں" میں بیان کی ہیں۔ پاکستان سے تارڑ صاحب اپنے دوست علی کے ہمراہ افغانستان اور ایران سے ہوتے ہوئے جب ترکی میں داخل ہوئے تو ان کے سامنے وہی منظر تھا جو اس وقت ہمارے سامنے تھا۔ لکھتے ہیں:

''صدر دروازے سے باہر نکل کر ترکی کی سرزمین پر جب پہلا قدم رکھا تو میری آنکھیں چندھیا گئیں۔میرے سامنے خنک چاندی کی چمکتی ہوئی ایک دیوار کھڑی تھی۔دامن سے چوٹی تک سفید برف کے بوجھ تلے دبا ہوا بلند پہاڑ جو سرحد کے اس پار سے دھندلا کہر آلود بادل معلوم ہوتا تھا۔اتنا نزدیک جیسے ہاتھ بڑھاؤ تو ایک چھناکے سے چھن چھن کرتی چاندی تمام وادی میں بکھر جائے۔یہ کوہ آرارات تھا۔روایت ہے کہ طوفان نوح (علیہ الصلوٰۃ والسلام) کے بعد حضرت نوح کی کشتی اسی پہاڑ کی چوٹی پر لنگر انداز ہوئی تھی۔آرارات کے پہلو میں بے شمار چوٹیوں نے سر اٹھا رکھے تھے لیکن سبھی خشک اور ویران۔اس مقدس پہاڑ کی عظمت کا اقرار کرتے ہوئے سر بسجود۔

آرارات کا پورا پہاڑ سورج کی روشنی سے چمک رہا تھا مگر گرد و نواح کے پہاڑوں اور گہری وادیوں میں دھندلکا چھا رہا تھا۔ شام ہونے کو تھی۔ قہوہ خانے کا مالک اب کباب بھوننے کی بجائے زمین پر بیٹھا آگ تاپ رہا تھا۔ میں نے آرارات کی چوٹی کی جانب اشارہ کر کے پوچھا: "اس کی برف کس موسم میں پگھلتی ہے؟"، "آرارات کی برف کبھی نہیں پگھلتی۔" اس نے تقدس آمیز نظروں سے چوٹی کی طرف دیکھتے ہوئے مجھے بتایا۔ "یہ نوحؑ کا پہاڑ ہے۔ وادی کے دوسری طرف جس صبح موسم صاف ہو تو اس کی اجلی برفوں میں ایک کالا دھبہ دکھائی دیتا ہے۔ لوگ کہتے ہیں وہ نوحؑ کی کشتی کا ایک حصہ ہے۔"۔۔۔۔

آج سے تقریباً سات سو برس پیشتر مارکو پولو بھی اسی راستے سے گزرا تھا۔ وہ اپنے سفر نامے میں لکھتا ہے: "آرمینیا کے قلب میں ایک نہایت بلند پیالہ نما پہاڑ واقع ہے۔ کہا جاتا ہے کہ نوحؑ کی کشتی یہاں لنگر انداز ہوئی تھی اور اسی مناسبت سے اسے "نوح کا پہاڑ" کہتے ہیں۔ یہ اتنا لمبا چوڑا ہے کہ اس کے گرد چکر لگانے میں دو دن صرف ہو جاتے ہیں۔ چوٹی پر برف پوری طرح کبھی نہیں پگھلتی بلکہ ہر سال پرانی برف پر نئی برف کی تہیں جم جاتی ہیں اور اس طرح اس کی بلندی میں اضافہ ہوتا چلا جاتا ہے۔ برف کے پگھلنے سے پہاڑ کا دامن سرسبز اور زرخیز ہے۔"

ہمارے سامنے بھی یہی منظر تھا جس کی طرف مارکو پولو اور تارڑ صاحب نے اشارہ کیا ہے۔ فرق صرف یہ تھا کہ اس وقت پہاڑ کی چوٹی مکمل طور پر بادلوں میں ڈھکی ہوئی تھی۔ جس کی وجہ سے میں اس کی صاف تصویر نہ لے سکا۔ پہاڑ کا نچلا حصہ نمایاں نظر آ رہا تھا۔ اردگرد کے پہاڑ بھی کافی بلند تھے مگر ارارات کے آگے وہ بونے محسوس ہو رہے تھے۔ پہاڑ کی چوٹی پر برف اب بھی موجود تھی اور اس کے گلیشیئر نیچے تک آئے ہوئے تھے۔

[جاری ہے]

پروین سلطانہ حنا

مدرڈے پر لکھی گئی سچی کہانی

یہ بھی اِک کہانی ہے　　وقت کی زبانی ہے

اِس زمیں کے بیٹوں نے　　یہ ستم بھی ڈھایا تھا

اپنے گھر کے آنگن سے　　اس کو جب نکالا تھا

جس نے اس کو پالا تھا

ایک ایک کے در پر　　اس نے جا کے دستک دی

تیز آندھیاں اٹھیں　　موجِ خون در آئی

دشتِ بے رخی میں تھے　　زخمِ آبلہ پائی

سنگدل مکانوں کے　　بے نوا دریچوں سے

آہ بھی پلٹ آئی

کیسی بے حسی تھی یہ　　کیسی بے بسی تھی یہ

ماں نے جب پکارا　　بے کسی کے لمحوں میں

ایدھی ہوم ہی اس کا　　آخری سہارا تھا

کاش ایسا ہو جاتا　　آسمان گر جاتا

اور زمین پھٹ جاتی

اس میں ماں سما جاتی

ابویحییٰ کی کتابیں

آخری جنگ

شیطان کے خلاف انسان کا اعلان جنگ

حکمت کی باتیں

حکمت کی وہ باتیں جو دنیا و آخرت میں کامیابی کی ضامن ہیں

ملاقات

اہم علمی، اصلاحی، اجتماعی معاملات پر ابویحییٰ کی ایک نئی فکر انگیز کتاب

کھول آنکھ زمین دیکھ

مغرب اور مشرق کے سات اہم ممالک کا سفرنامہ

جب زندگی شروع ہوگی

ایک تحریر جو ہدایت کی عالمی تحریک بن چکی ہے

قسم اس وقت کی

ابویحییٰ کی شہرہ آفاق کتاب ''جب زندگی شروع ہوگی'' کا دوسرا حصہ

Please visit this link to read all articles and books of Abu Yahya free online.

www.inzaar.org

To get Abu Yahya Quotes Join us on twitter:

Twitter ID: @AbuYahya_inzaar

To read Abu Yahya articles regularly Join us on Facebook

Abu Yahya Page: www.facebook.com/abuyahya.inzaar

Abu Yahya Account: www.facebook.com/abuyahya.jzsh

Join us on Youtube

Search inzaar on YouTube to see our audios and lectures

To get monthly books, CDs/USB and Inzaar's monthly magazines at home anywhere in Paksitan, contact # 0332-3051201 or 0345-8206011

To participate in online courses, visit

www.inzaar.org/online-courses/

To get any other information, email to globalinzaar1@gmail.com

Following material in audio form is available on USB/CD:

Quran Course by Abu Yahya

Quran Translation and Summary by Abu Yahya

Islahi Articles

Jab Zindagi Shuru Hogi (book)

Qasam Us Waqt Ki (book)

Aakhri Jang (book)

Monthly
INZAAR

MAY 2017
Vol. 05, No. 05
Regd. No. MC-1380

Publisher: Rehan Ahmed Printers: The Sami Sons Printers,

25-Ibrahim Mansion, Mill Street, Pakistan Chowk, Karachi

ابو یحییٰ کی دیگر کتابیں

’’ملاقات‘‘

اہم علمی، اصلاحی اجتماعی معاملات پر ابو یحییٰ کی ایک نئی فکر انگیز کتاب

’’کھول آنکھ زمین دیکھ‘‘

مغرب اور مشرق کے سات اہم مما لک کا سفرنامہ

’’جب زندگی شروع ہوگی‘‘

ایک تحریر جو ہدایت کی عالمی تحریک بن چکی ہے

’’بس یہی دل‘‘

دل کو چھو لینے والے مضامین ذہن کو روشن کر دینے والی تحریریں

’’قسم اُس وقت کی‘‘

ابو یحییٰ کی شہرہ آفاق کتاب ’’جب زندگی شروع ہوگی‘‘ کا دوسرا حصہ

’’تیسری روشنی‘‘

نفرت اور تعصب کے اندھیروں کے خلاف روشنی کا جہاد

“When Life Begins”

English Translation of Abu Yahya Famous book

Jab ZindagiShuruHo Gee

’’حدیثِ دل‘‘

موثر انداز میں لکھے گئے علمی، فکری اور تذکیری مضامین کا مجموعہ

’’قرآن کا مطلوب انسان‘‘

قرآن کے الفاظ اور احادیث کی روشنی میں جانیے اللہ ہم سے کیا چاہتے ہیں